فوزان پال صاحب، سید سعادت احمد صاحب اور مسعود احمد صاحب خدام کا ترانہ سنا رہے ہیں

The **Ahmadiyya Gazette** and **Annoor** are published by the **Ahmadiyya Movement in Islam,** Inc.
15000 Good Hope Road, Silver Spring, MD 20905. Ph: (301)879-0110
Printed at the Fazl-i-Umar Press and distributed from Chauncey, OH 45719

NON PROFIT ORG.
U.S. POSTAGE
P A I D
CHAUNCEY, OHIO
PERMIT # 1

Ahmadiyya Movement in Islam, Inc.
P. O. Box 226
CHAUNCEY, OH 45719

اطفال ورزشی مقابلہ جات
میں حصہ لینے کے لئے
ریفری کی ہدایات
بغور سن رہے ہیں
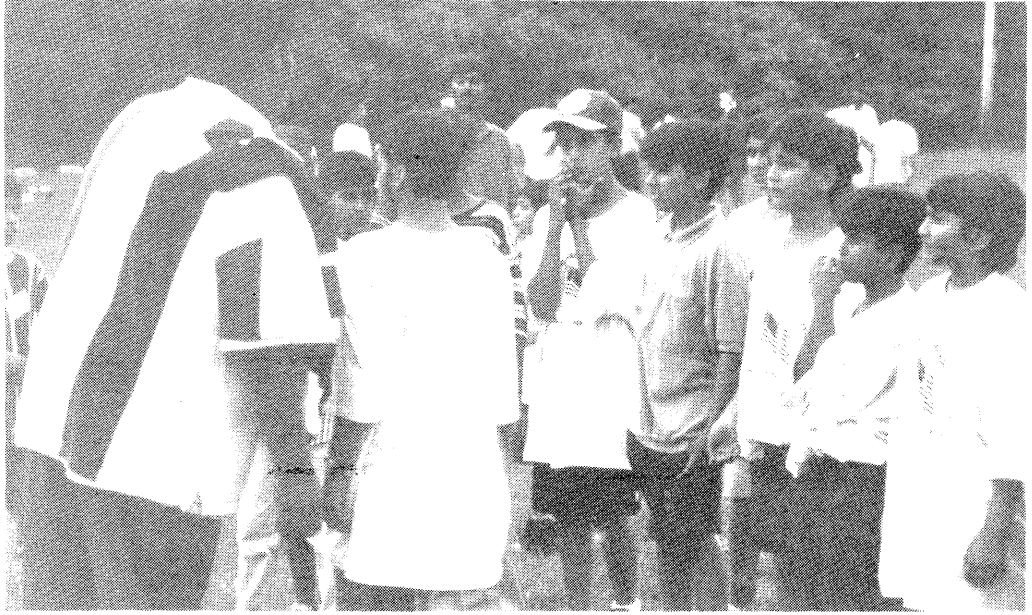
مکرم محترم جناب مولانا
شیخ مبارک احمد صاحب
مجلس خدام الاحمدیہ امریکہ
کے سالانہ اجتماع سے
افتتاحی خطاب فرما
رہے ہیں۔

مکرم منعم نعیم صاحب
صدر مجلس خدام الاحمدیہ
امریکہ اجتماع کے موقع
پر خدام سے مخاطب
ہیں۔
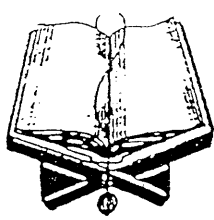
نماز پانچوں وقت پڑھا کرو

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا

(ترجمہ) نماز اپنے مقررہ وقتوں میں مسلمانوں پر فرض ہے

تشریح : نماز سات برس کی عمر سے شروع کرنی چاہیئے اور دس برس کی عمر میں تو ضروری ہوجاتی ہے جو شخص مسلمان ہے اُسے ضرور نماز پڑھنی چاہیئے اور دلی ذوق وشوق سے پڑھنی چاہیئے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہیئے آخری بات یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز باقاعدہ ادا کرنی چاہیئے۔ یہ نہیں کہ صبح کی پڑھ لی تو ظہر کی غائب اور عصر کی پڑھ لی تو مغرب کی ناغہ۔ اور عشاء کے وقت پڑ کے سو رہے۔ جو آدمی اس طرح نماز پڑھتے ہیں وہ خدا کے ہاں بے نماز لکھے جاتے ہیں اور اُن کی نمازوں کا کوئی فائدہ نہیں۔

اس آیت کا یہ بھی مطلب ہے کہ نمازیں ٹھیک اپنے وقت پر پڑھی جائیں یہ نہ ہو کہ مثلاً نمازِ فجر دِن کے دس بجے پڑھی اور عصر کی نماز سورج ڈوبتے وقت ادا کی۔ (۴-۱۰۴)

—— عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلاً قَالَ : یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُّدْخِلُنِیْ الْجَنَّۃَ وَیُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ۔ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : تَعْبُدُ اللّٰہَ لَاتُشْرِكُ بِہٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ وَتُؤْتِی الزَّکَاۃَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ۔ (بخاری کتاب الادب باب فضل صلہ الرحم)

حضرت ابو ایوّب انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں لے جائے اور آگ سے دور کر دے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرا۔ نماز پڑھ۔ زکوٰۃ دے اور صلہ رحمی کر یعنی رشتہ داروں کے ساتھ پیار و محبّت سے رہ۔

—— عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ : اِنَّ بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَ الشِّرْكِ وَالْکُفْرِ تَرْكَ الصَّلٰوۃِ۔

(مسلم کتاب الایمان باب بیان اطلاق اسم الکفر علیٰ من ترك الصلوٰۃ)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ نماز کو چھوڑنا انسان کو شرک اور کفر کے قریب کر دیتا ہے۔

— عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اَوَّلَ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلٰوتُهٗ، فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ، فَاِنِ انْتُقِصَ مِنْ فَرِیْضَتِهٖ شَیْءٌ قَالَ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِیْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَیُکَمَّلُ بِهَا مَا انْتُقِصَ مِنَ الْفَرِیْضَةِ؟ ثُمَّ تَکُوْنُ سَائِرُ اَعْمَالِهٖ عَلٰی هٰذَا۔ (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ان اوّل یحاسب بہ العبد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا بندوں سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اگر یہ حساب ٹھیک رہا تو وہ کامیاب ہوگیا اور اس نے نجات پالی۔ اگر یہ حساب خراب ہوا تو وہ ناکام ہوگیا اور گھاٹے میں رہا۔ اگر اس کے فرضوں میں کوئی کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ دیکھو! میرے بندے کے کچھ نوافل بھی ہیں۔ اگر نوافل ہوئے تو فرضوں کی کمی ان نوافل کے ذریعہ پوری کر دی جائے گی۔ اسی طرح اس کے باقی اعمال کا معائنہ ہوگا اور ان کا جائزہ لیا جائے گا۔

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ راتوں کو رو رو کر دعائیں کریں

(حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ)

ارشادات حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

نماز وہ ہے جس میں دعا کا مزا آ جائے

"نماز کے اندر ہی اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرو۔ سجدہ میں، بیٹھ کر، رکوع میں، کھڑے ہو کر، ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرو۔ بے شک پنجابی زبان میں دعائیں کرو۔ جن لوگوں کی زبان عربی نہیں اور عربی سمجھ نہیں سکتے ان کے واسطے ضروری ہے کہ نماز کے اندر ہی قرآن شریف پڑھنے اور مسنون دعائیں عربی میں پڑھنے کے بعد اپنی زبان میں بھی خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگے اور عربی دعاؤں کا اور قرآن شریف کا بھی ترجمہ سیکھ لینا چاہئے۔ نماز کو صرف جنتر منتر کی طرح نہ پڑھو بلکہ اس کے معانی اور حقیقت سے معرفت حاصل کرو۔ خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ ہم تیرے گنہگار بندے ہیں اور نفس غالب ہے تو ہم کو معاف کر اور دنیا اور آخرت کی آفتوں سے ہم کو بچا۔

آج کل لوگ جلدی جلدی نماز ختم کرتے ہیں اور پیچھے لمبی دعائیں مانگنے بیٹھتے ہیں۔ یہ بدعت ہے جس نماز میں تضرع نہیں، خدا تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں، خدا تعالیٰ سے رقت کے ساتھ دعا نہیں وہ نماز تو خود ہی ٹوٹی ہوئی نماز ہے۔ نماز وہ ہے جس میں دعا کا مزا آ جاوے۔ خدا تعالیٰ کے حضور میں ایسی توجہ سے کھڑے ہو جاؤ کہ رقت طاری ہو جائے جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کے واسطے قید یا پھانسی کا فتویٰ لگنے والا ہوتا ہے۔ اس کی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے۔ ایسے ہی خوفزدہ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہئے۔ جس نماز میں دل کہیں ہے اور خیال کسی اور طرف ہے اور منہ سے کچھ نکلتا ہے وہ ایک لعنت ہے جو آدمی کے منہ پر واپس ماری جاتی ہے اور قبول نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "ویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون" (الماعون: ۵،۶)۔ لعنت ہے ان پر جو اپنی نماز کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ نماز وہی اصلی ہے جس میں مزا آ جاوے۔ ایسی ہی نماز کے ذریعہ سے گناہ سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ نماز ہے جس کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے۔ نماز مومن کے واسطے ترقی کا ذریعہ ہے۔ "ان الحسنات یذھبن السیات" (ھود: ۱۱۵) نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ دیکھو بخیل سے بھی انسان مانگتا رہتا ہے تو وہ بھی کسی نہ کسی وقت کچھ دے دیتا ہے اور رحم کھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ تو خود حکم دیتا ہے کہ مجھ سے مانگو اور میں تمہیں دوں گا۔ جب کبھی کسی امر کے واسطے دعا کی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریق تھا کہ آپ وضو کر کے نماز میں کھڑے ہو جاتے اور نماز کے اندر دعا کرتے۔

دعا کے معاملہ میں حضرت عیسیٰؑ نے خوب مثال بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک قاضی تھا جو کسی کا انصاف نہ کرتا تھا اور رات دن اپنے عیش میں مصروف رہتا تھا۔ ایک عورت جس کا ایک مقدمہ تھا وہ ہر وقت اس کے دروازے پر آتی اور اس سے انصاف چاہتی۔ وہ برابر ایسا کرتی رہتی یہاں تک کہ قاضی تنگ آ گیا اور اس نے بالآخر اس مقدمہ کا فیصلہ کیا اور اس کا انصاف اسے دیا۔ دیکھو کیا تمہارا خدا قاضی جیسا بھی نہیں کہ وہ تمہاری دعا سنے اور تمہیں تمہاری مراد عطا کرے۔ ثابت قدمی کے ساتھ دعا میں مصروف رہنا چاہئے۔ قبولیت کا وقت بھی ضرور آ ہی جائے گا۔ استقامت شرط ہے"۔

(ملفوظات جلد پنجم [طبع جدید] صـ ۴۴، ۴۵)

"چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا"

(کشتی نوح)

۵

نماز باجماعت کے قیام کے سلسلہ میں مجالس انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کی ذمہ داری

(مصلح موعود رضی اللہ عنہ)

میں نے متواتر

جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ نماز ایک ایسی چیز ہے جس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا' کہ انسان نماز نہ پڑھے' یا اس کو التزام کے ساتھ ادا کرنے میں غفلت سے کام لے' تو پھر بھی وہ مسلمان اور احمدی رہ سکتا ہے۔ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کو چھوڑ دینے کی وجہ سے انسان کمزور کہلاتا ہے۔ مگر نماز ایسی چیز ہے کہ اس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے وہ کچھ بھی نہیں کہلا سکتا۔ ایک شخص جو اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے اور پھر نماز نہیں پڑھتا۔ اور نماز نہ پڑھنے کے یہی معنے نہیں کہ وہ کبھی نماز نہیں پڑھتا' بلکہ سال بھر میں اگر وہ ایک نماز بھی چھوڑ دیتا ہے یا دس سال میں وہ ایک نماز کو بھی ترک کر دیتا ہے' تو وہ کسی صورت میں احمدی نہیں کہلا سکتا۔ اگر اس کو یہ خیال ہو کہ میں نے بیس سال میں صرف ایک نماز چھوڑی ہے' پھر کیا ہو گیا تو وہ ایک وہم میں مبتلا ہے۔ اگر وہ بیس سال میں ایک نماز بھی چھوڑ دیتا ہے۔' تو پھر بھی وہ احمدی نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ جس وقت کوئی شخص کسی نماز کو چھوڑتا ہے اسی وقت وہ احمدیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور جب تک دوبارہ اس کے دل میں ندامت اور اپنے فعل پر افسوس پیدا نہ ہو' اور جب تک دوبارہ اس کے دل میں دین کی رغبت پیدا نہ ہو۔ اس وقت تک وہ خدا تعالیٰ کے حضور احمدی نہیں سمجھا جاتا مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک جماعت نے نماز کی اس اہمیت کو نہیں سمجھا۔ چنانچہ میرے پاس شکائتیں پہنچتی رہی ہیں کہ بعض لوگ نمازوں میں ست ہیں۔ اور بعض بالکل ہی نہیں پڑھتے۔ میں اس نقص کو دیکھتے ہوئے خصوصیت سے قادیان کے خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ سے کہتا ہوں کہ نماز کے متعلق ان میں سے ہر شخص اپنے ہمسایہ کی اسی طرح جاسوسی کرے جس طرح پولیس مجرموں کی جاسوسی کا کام کیا کرتی ہے۔ جب تک رات اور دن ہم میں سے ہر شخص اس طرف متوجہ نہ ہو کہ ہمارا ہر فرد خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا' بچہ ہو یا جوان' نماز باقاعدگی کے ساتھ ادا کرے اور کوئی ایک نماز بھی نہ چھوڑے۔ اس وقت تک ہم کبھی بھی اپنے اندر جماعتی روحانیت قائم نہیں کر سکتے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہو سکتے ہیں۔

انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ

اس امر کی نگرانی رکھیں

-میں اس کے بعد ان لوگوں کو مذہبی مجرم سمجھوں گا جو نماز باجماعت ادا نہیں کریں گے۔ اور انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کو قومی مجرم سمجھوں گا کہ انہوں نے نگرانی کا فرض ادا نہیں کیا۔ ہم پر اس شخص کی کوئی ذمہ داری نہیں ہو سکتی جو بے نماز ہے۔ اور ایسے شخص کا یہی علاج ہے کہ ہم اس کے احمدیت سے خارج ہونے کا اعلان کر دیں گے۔ مگر جو منتظم ہیں وہ بھی مجرم سمجھے جائیں گے اگر انہوں نے لوگوں کو نماز باجماعت کے لئے آمادہ نہ کیا۔ وہ صرف یہ کہہ کر ہی بری الذمہ نہیں ہو سکتے کہ ہم نے لوگوں سے کہہ دیا تھا۔ اگر لوگ نماز نہ پڑھیں تو ہم کیا کریں۔ خدا تعالیٰ نے ان کو طاقت دی ہے اور انہیں ایسے سامان عطا کئے ہیں، جن سے کام لے کہ وہ اپنی بات لوگوں سے منوا سکتے ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ لوگ ان کی بات نہ مانیں۔ وہ انہیں نماز با جماعت کے لئے مجبور کر سکتے ہیں۔ اور اگر وہ مجبور نہیں کر سکتے تو کم از کم ان کے اخراج از جماعت کی رپورٹ کر سکتے اور مجھے ان کے حالات سے اطلاع دے سکتے ہیں۔ بہر حال کوئی نہ کوئی طریق ہونا چاہیئے جس سے ان لوگوں کا پتہ لگ سکے، جو بظاہر ہمارے ساتھ ہیں مگر در حقیقت ہمارے ساتھ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسے لوگ ہمارے ساتھ لٹکتے چلے جائیں اور اپنی اصلاح بھی نہ کریں۔ اس کے نتیجہ میں اور لوگوں پر بھی برا اثر پڑتا ہے اور وہ بھی نمازوں میں ست ہو جاتے ہیں۔

میں آج سے خود اپنے طور پر بھی انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کے اس کام کی نگرانی کرونگا۔ اس کے ساتھ ہی میں بیرونی جماعتوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ انہیں بھی اپنے بچوں اور نوجوانوں اور عورتوں اور مردوں کو نماز باجماعت کی پابندی کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ اگر اس بات میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے، تو وہ ہرگز خدا تعالیٰ کے حضور سرخرو نہیں ہو سکتے۔ چاہے وہ کتنے ہی چندے دیں اور چاہے کتنے ہی ریزولیوشن پاس کر کے بھجوا دیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵۔ جون ۱۹۴۲ء۔ بحوالہ الفضل ۷۔ جون ۱۹۴۲ء)

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے اپنے گھر سے وضو کیا۔ پھر وہ اللہ کے گھر یعنی مسجد کی طرف گیا تاکہ وہاں فرض نماز ادا کرے تو مسجد کیطرف جاتے ہوئے جتنے قدم اس نے اٹھائے ان میں سے اس کے ایک قدم سے اگر ایک گناہ معاف ہوگا تو دوسرے قدم سے اس کا ایک درجہ بلند ہوگا۔ یعنی ہر ہر قدم پر اسے ثواب ملیگا۔

خطبہ جمعہ

کسی امارت پر فائز ہونا کوئی معمولی امر نہیں ہے۔ اس کے بہت گہرے تقاضے ہیں انہیں لازماً پورا کرنا ہوگا

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ ۱۴ جون ۱۹۹۶ء مطابق ۱۴ احسان ۱۳۷۵ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

[خطبہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے]

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله. أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم.
﴿بسم الله الرحمٰن الرحيم* الحمد لله رب العٰلمين* الرحمٰن الرحيم* مٰلك يوم الدين* إياك نعبد وإياك نستعين* اهدنا الصراط المستقيم* صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين*﴾.

گزشتہ خطبات میں جرمنی کے سفر کے دوران بھی اور بعدازاں بھی میں نے جماعت کو امارت کی عزت ر احترام کی طرف توجہ دلائی اور جماعت کو نصیحت کی کہ اپنی اطاعت میں محبت اور خلوص کا رنگ پیدا ریں کیونکہ یہی سچی اور حقیقی اطاعت ہے جو انسان کو ابتلاؤں سے بچاتی ہے۔ اگر محض میکانیکی یعنی کینیکل اطاعت ہو تو ایسی اطاعت بعض دفعہ ٹھوکر کے مقام پر انسان کو سہارا نہیں دے سکتی اور معمولی ر پر بھی انسان اپنی اطاعت کا تعلق توڑ کر خودسری کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ یعنی جہاں محبت اور ادب کے رشتے ہوں وہاں یہ دونوں رشتے اطاعت کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کے اندر ایک وارفتگی سی پیدا کر یتے ہیں، ایک ایسا رجحان جس کے بعد انسان اطاعت کی سختیوں کو برداشت کرنے کا اہل ہو جاتا ہے۔ یہی ہ ہے کہ ماں کو جو تربیت میں مرتبہ اور مقام حاصل ہے اتنا کسی اور رشتے کو نہیں کیونکہ ماں کی سختیاں بسا قات ردعمل کے بغیر بچہ جھیلتا ہے۔ اور جہاں ردعمل دکھاتا ہے وہاں ماں کا کوئی قصور ہوا کرتا ہے۔ وہ ں جو فطری تقاضے پورے کرتی ہے، بچوں سے پیار اور محبت کے تعلق قائم رکھتے ہوئے ان کی اصلاح کا ل رکھتی ہے اس ماں کے بچے سختی کے وقت بھی دکھ تو محسوس کریں گے، بغاوت نہیں کریں گے۔

پس جہاں جماعت کو میں نے توجہ دلائی ہے وہاں اب میں امراء کو بھی نصیحت کرنا چاہتا ہوں بلکہ ہر اعتی عہدیدار کو کہ اس نے اگر خدمت لینی ہے اور اطاعت کے اعلیٰ نمونے دیکھنے ہیں تو خود اس کے لئے م ہے کہ اول وہ اطاعت کا اعلیٰ نمونہ بنے۔ یعنی اپنے سے بالا اس پر نظر رہے اور وہ بہترین اطاعت کا نمونہ بن جائے۔ اور دوسرے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے لئے اطاعت کا ہے آپ کے لئے اگر ہے تو اس کے تابع ہی ہے مگر اس کے ہم مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ گو منطقی نقطہ نگاہ ہم کہہ دیتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی اطاعت میں آپ کے مقرر کردہ ء کی اور غلاموں کی اطاعت بھی داخل فرما دی گئی ہے۔ اس لئے ان سب امراء کو جو نظام جماعت کے ندہ ہیں یا صدر ہیں یا قائدین ہیں یا زعماء ہیں یا لجنہ کی صدرات ہیں ان سب کو اطاعت کا اپنے منصب لحاظ سے ایک حق حاصل ہو گیا ہے اور اس میں ان کی ذات کا کوئی دخل نہیں۔ یہ نصیحت جہاں میں کر ہوں وہاں یہ بھی سمجھانا چاہتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ سب سے زیادہ اہم ترین اطاعت کا حکم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہی کے لئے ہے اور آپ ہی کی ذات کے حوالے سے پھر آگے یہ پھیلا ہے۔ مگر آپؐ کے متعلق بھی قرآن کریم نے متنبہ فرمایا کہ اگر تجھے وہ رحمت کا دل نہ دیتے جو ہر وقت ان پر جھکا رہتا ہے، ہر وقت ان کے خیال میں مگن رہتا ہے، ان کی تکلیف تجھ پر مصیبت بن جاتی ہے "عزیز علیہ ما عنتم" جو دکھ اٹھاتے ہیں تجھے بھی مصیبت پڑ جاتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا اس قسم کی کیفیات تو تیری اعلیٰ عظمت اور تیرے متعلق خدا تعالیٰ کے اعلیٰ فرمان بھی ان کو اکٹھے نہ رکھ سکتے۔ اس لئے کہ تو تو صحت مند ہے یہ سارے صحت مند نہیں۔ اور جو اعلیٰ صحت اطاعت کے لئے درکار ہے جو ہر ٹھوکر سے بالا ہو جاتی ہے، ہر ابتلاء سے ثابت قدم گزرتی ہے وہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ اور وہ صحابہ کرام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی صحبت میں قریب تر رہتے تھے ان کا ایک الگ مرتبہ تھا۔ ان کے متعلق اس آیت میں ہرگز یہ نہیں فرمایا گیا کہ "لو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك" (آل عمران: ۱۶۰) انہوں نے تو رہنا ہی تھا ساتھ۔ ان پر تو یہ مضمون صادق آتا تھا کہ "ہمیں تو راہروؤں کی ٹھوکریں کھانا مگر جانا" یعنی محبوب کی گلیوں میں۔ اس لئے قرآن کریم کی ہر آیت کو اس کے موقع محل کے مطابق چسپاں کرنا چاہئے۔ لیکن ایک بڑی جماعت ایسی تھی جو تربیت میں وہ مرتبہ نہیں رکھتی تھی۔ وہ ہر لحہ دلداری کے محتاج تھے اور دلداری کے رستوں سے وہ رفتہ رفتہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے قریب آتے رہے، قریب تر ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ پھر اس مرتبے اور مقام پہ پہنچے کہ جس کے متعلق قرآن کریم نے ان کے ثبات قدم کی گواہیاں دیں۔ پس وہ جو مضمون ہے وہ عمومی تربیت کا مضمون ہے کہ جو امیر مقرر ہو اور خاص طور پر جو خدا تعالیٰ کی طرف سے امیر مقرر ہو اسکے اوپر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ انسانی فطرت کو نظرانداز کر کے محض اس وجہ سے کہ اللہ نے اسے مامور بنا دیا ہے وہ یہ سمجھے کہ اب ہر شخص کا فرض ہے میری اطاعت کرے اور اطاعت میں حد کمال کو پہنچ جائے مگر میں بس صرف مامور بن کے بیٹھا رہوں گا میرا کام اطاعت قبول کرنا ہے اس سے بڑھ کر نہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ یہ فطرت انسانی کے خلاف بات ہے۔ اور قرآن فطرت کے مطابق ہے۔

اور قرآن یہ بھی بتانا چاہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے خدام میں جو اطاعت کے بے مثال نمونے تم دیکھتے ہو اس میں تم ان کے لئے جتنی بھی دعائیں کرو بے شک کرو مگر یاد رکھو کہ اس کا اصل کریڈٹ، اس کا اصل سہرا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے سر پر ہے۔ کیونکہ آپؐ نے اپنے پیار، محبت، مغفرت، عفو اور ان کی خاطر تکلیفیں اٹھا کر خود ایک مقام پیدا کر لیا۔ اور ایک ایسا مقام پیدا کیا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی یہ صفات نہ ہوتیں تو ان میں جو نمونے تم دیکھتے ہو وہ نظر نہ آتے۔ پس یہ ان کی ذاتی خوبی نہیں۔ یہ اطاعت بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے حسن کا ہی ایک عکس ہے۔ تو یہ آیت کریمہ ہمیں اس طرف بھی متوجہ کر رہی ہے کہ ہر وہ شخص جو مامور ہے کسی پہلو سے خواہ محدود دائرے میں ہو، ایک زعیم بھی جو انصار اللہ کا زعیم ہے وہ بھی محدود دائرے میں ایک مامور ہے، ایک زعیم بھی جو خدام الاحمدیہ کا زعیم ہے وہ بھی تو اپنے دائرے میں اور محدود دائرے میں ایک مامور ہے۔ تو ہر شخص جس کا حکم مانا جائے اسے مامور کہا جاتا ہے یعنی اس کی بات مانی جائے گی۔ ان معنوں میں نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی منصب ماموریت عطا فرمایا ہے جو انبیاء کو دیا جاتا ہے، یہ الگ مضمون ہے۔ مگر مامور کا عام معنی یہی ہے کہ اپنے دائرے میں صاحب اختیار ہو، صاحب

امر ہو۔ اس پہلو سے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو اسے یاد رکھنا ہو گا کہ جن لوگوں پر مامور ہے ان کے دل جیتنے میں اسے لازماً محنت کرنی ہوگی اور ان کے طبعی فطری تقاضے پورے کرنے ہونگے۔ پس وہ امیر جو امیر بن کر یہ اہم اور بنیادی نکتہ نظرانداز کر دیتا ہے وہ بےوقوف بھی ہو گا اور ایک قسم کا اس میں تکبر بھی پایا جائے گا۔ بیوقوف اس لئے کہ جو مرکزی نکتہ قرآن کریم نے بار بار سمجھایا جس کے بغیر امارت مکمل ہو ہی نہیں سکتی اسے نظرانداز کر بیٹھا ہے۔ اور تکبران معنوں میں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے متعلق قرآن یہ فرماتا ہے کہ اگر یہ صفات تجھ میں نہ ہوتیں تو انہوں نے بھاگ جانا تھا، اپنے متعلق وہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ مجھ میں نہ بھی ہوں تو فرق کوئی نہیں پڑتا انہوں نے ماننی ہی ماننی ہے۔ اگر وہ مانتے ہیں تو پھر تمہاری وجہ سے نہیں بلکہ عمومی نظام جماعت کی برکت سے مانتے ہیں اور وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی خاطر مانتے ہیں۔ وہ دہرے ثواب کماتے ہیں اور تم مجرم بن جاتے ہو۔

پس کسی امارت پر فائز ہونا کوئی معمولی امر نہیں ہے، اس کے بہت گہرے تقاضے ہیں، انہیں لازماً پورا کرنا ہو گا۔ مگر جہاں تک نافرمانی والے کا تعلق ہے اس کا یہ عذر کبھی قبول نہیں ہو سکتا کہ چونکہ اس نے مجھ سے حسن سلوک نہیں کیا تھا اس لئے میں نافرمانی کا حق رکھتا ہوں۔ یہ بات بھی یاد رکھیں۔ قرآن کریم نے ان کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی اگر سختی کی وجہ سے دور ہٹے ہوں ہرگز یہ حق تسلیم نہیں کیا کہ ان کو ہٹنے کا حق تھا۔ ان کی ایک نفسیاتی کمزوری بیان فرمائی ہے۔ ورنہ جو اطاعت کا اعلیٰ حق ہے اس میں کسی شخص کی ذاتی کمزوری یا ذاتی صفات کا کوئی بھی دخل ہونا نہیں چاہئے۔ اطاعت کے زاویے سے دیکھیں یعنی مطیع کے زاویے سے دیکھیں تو پھر یہ مضمون یوں نکلے گا کہ مطیع کو اگر اس کا مطاع یعنی جس کو امر کا اختیار دیا گیا ہے باوجود اس کے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا اپنے دائرہ اختیار میں حکم دیتا ہے تو مطیع کا فرض ہے کہ لازماً قبول کرے۔ اور یہ عذر نہیں رکھے کہ چونکہ اس نے مجھ سے حسن سلوک نہیں کیا اس لئے میں حق رکھتا ہوں کہ اس کی اطاعت سے باہر چلا جاؤں۔ یہ حق قرآن کریم نے کہیں بھی کسی کو نہیں دیا۔

جہاں تک مومن کا تعلق ہے ان کی ایک ہی آواز بیان فرمائی ہے جو حضرت محمدؐ رسول اللہ کی آواز کے تابع اٹھی اور یک جان ہو کر اٹھی ہے اور یہ آواز تھی "سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر" ہمیں تو اس کے سوا کچھ نہیں پتہ۔ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ جو سنا اس پر عمل کیا۔ "سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر" اور سننے اور اطاعت ہی میں اے رب ہمیں تیری غفران کی حرص ہے۔ ہم جو سنتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں تو اس غرض سے نہیں کہ جس کی اطاعت کرتے ہیں اس سے کوئی فیض ہمیں پہنچے گا یا اس کی محبت بذات خود ہمارا مطمع نظر ہے۔ یہ سب کچھ تو اس لئے ہے کہ "غفرانک ربنا" تاکہ تو ہم سے مغفرت کا سلوک فرمائے۔ "والیک المصیر" ہم نے آخر تیرے حضور پہنچنا ہے۔ سارا حساب کتاب تیرے حضور پیش ہو گا۔

> **میں امراء کو بھی نصیحت کرنا چاہتا ہوں بلکہ ہر جماعتی عہدیدار کو کہ اس نے اگر خدمت لینی ہے اور اطاعت کے اعلیٰ نمونے دیکھنے ہیں تو خود اس کے لئے بھی لازم ہے کہ اول وہ اطاعت کا اعلیٰ نمونہ بنے**

تو "سمعنا واطعنا" کا مضمون ایک وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کے خداتعالیٰ کی جانب رخ سے ہمیں معلوم ہوا۔ جب خدا کی طرف اپنا رخ فرمایا تو ہر وہ شخص جو اللہ کی طرف سے تھا اس کے متعلق یہ اعلان ہوا ہے "سمعنا واطعنا" ہمارا اور کوئی کام نہیں ہے۔ لیکن جہاں جس کو مامور بنایا گیا ہے اس کے رخ سے دیکھیں تو اسے سمع اور اطاعت کی روح پیدا کرنے کے لئے اپنی جان کی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اپنے آرام کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ وہ تمام نفسیاتی تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں جن کے نتیجے میں پھر یہ ایسی جماعت پیدا ہو۔ تو ایک طرف سے مضمون کو دیکھا جائے تو مضمون بعض دفعہ بگڑ جاتے ہیں اور غلط استدلال پیدا ہو جاتے ہیں اور لوگ غلط استدلال کے نتیجے میں خود اپنی ہلاکت کا موجب بن جاتے ہیں۔ اب یہی صورت حال اگر آج کل کے حالات پر جو جماعتوں میں رونما ہوتے رہتے ہیں چسپاں کر کے تفصیل سے دیکھیں تو آپ کے سامنے یہ مسئلہ خوب کھل کے آجائے گا۔

ایک امیر ہے جو اپنی رحمت اور شفقت کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔ ذاتی تعلقات کو محض اس لئے نہیں بڑھاتا کہ خدا کی خاطر اب وہ مجبور ہے اور برداشت اور حوصلہ پیدا نہیں کرتا اور اس فکر میں نہیں رہتا کہ جس طرح بھی ممکن ہے مجھ سے محبت اور احسان کے رشتوں میں یہ لوگ باندھے جائیں۔ وہ امیر اپنی جماعت میں ویسی اطاعت کے نمونے نہیں دیکھ سکتا۔ ناممکن ہے۔ بلکہ بسا اوقات وہاں ٹھوکر کے واقعات کثرت سے دکھائی دیں گے۔ چھوٹی سی بات ہوئی اور لوگ ناراض ہو کے بھاگ گئے۔ امیر سے نہیں بھاگے اپنی عاقبت سے بھاگ گئے۔ اپنی آخرت تباہ کرلی۔ لیکن اس صورت میں دونوں یکساں ذمہ دار نہیں ہیں تو کم سے کم کچھ نہ کچھ ذمہ داری دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ برابر کا لفظ کہنا مشکل ہے اللہ بہتر جانتا ہے۔ بعض دفعہ ایک ذمہ داری کسی پر کم کسی پر زیادہ مگر ذمہ دار دونوں ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ان لوگوں کی بدنصیبی ہے جو ایسے امیر کی امارت میں ہیں جو ان سے رحمت اور شفقت کا سلوک نہیں کرتا۔ اور اس امیر کی بھی بدنصیبی ہے جو کرتا بھی ہو تو کچھ خودسروں کا امیر بنایا گیا ہے کیونکہ بعض دفعہ یہ امیر کے قصور کی وجہ سے خودسری نہیں آتی بعض جماعتوں میں کچھ گٹھلیاں بن جاتی ہیں۔ کچھ شریروں کی گٹھلیاں جن کا شغل ہی یہ رہتا ہے کہ کچھ ایک گروہ یہاں بنالیا ایک گروہ وہاں بنالیا اور تاک میں رہتے ہیں کہ امیر سے جو بھی ہو جب بھی کوئی غلطی ہو اس کو پکڑیں اور بلند آواز سے کہیں کہ یہ دیکھو یہ حرکتیں کر رہا ہے ہم اس کے ساتھ نہیں چل سکتے۔ موقع ملے تو دھمکیاں بھی اس کو دیں۔ ایسے ظالموں کی کینسر کی گٹھلیاں بھی کئی جگہ موجود ہیں اور جہاں یہ موجود ہیں وہاں امیر کو ہم نے بدل بدل کے دیکھ لیا۔ انتہائی رأفت کرنے والا، شفقت کرنے والا امیر بھی بھیجیں تو اس کے ساتھ وہی بدتمیزی کا سلوک ہو گا بلکہ بعض دفعہ نسبتاً سخت امیر کے سامنے یہ لوگ جھک جاتے ہیں۔ اور بعض دفعہ اس نیت سے سخت امیر مقرر کرنا پڑتا ہے کیونکہ یہ لوگ نیکی اور شفقت اور رحمت کی زبان سے بالکل نابلد ہو جاتے ہیں۔ ان کو پتہ ہی نہیں یہ زبان ہوتی کیا ہے۔ وہ دوسری زبان کسی حد تک سمجھتے ہیں۔ کوئی مضبوط امیر ہو جو بدتمیزیاں برداشت نہ کرے اور آگے سے اسی طرح دوٹوک جواب دے سکے تو وہ ماحول تو نہیں ہے جو اسلامی ماحول ہے اس کو تو میں ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا۔ مگر بیماروں کی دنیا میں صحت مند قانون چلا بھی تو نہیں کرتے۔ وہاں پھر یہ مضمون صادق آتا ہے جیسی روح ویسے فرشتے۔ روح ہی بد ہے تو فرشتے بھی تو ویسے ہی سخت گیر ہونگے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو جہنم کے تعلق میں بیان فرمایا ہے۔ کہتا ہے جہنم کے فرشتے بھی بڑے سخت گیر ہیں۔ کوئی رحم نہیں جانتے۔ وہ جہنمی چیختے چلاتے رہتے ہیں کہ اے جہنم کے داروغے ہمارے لئے خدا سے کچھ مانگ۔ وہ کہتا ہے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور ان کی سخت گیری جو ہے وہ اٹل ہے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ تو جیسی روح ویسے فرشتے کا مضمون محض محاورہ نہیں۔ قرآن سے ثابت ہے کہ جیسے جیسے لوگ ہوں ویسے ویسے ہی فرشتے ان پر مسلط کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مرتے وقت کے فرشتے آتے ہیں۔ جو نیک لوگوں کے فرشتے ہیں وہ ان کے لئے آسانیاں پیدا کر رہے ہیں ان کو محبت اور پیار سے تیار کرتے ہیں اپنے رب کے حضور حاضر ہونے کے لئے۔ اور خوش خبریاں دیتے ہیں کہ تم ایک تکلیف کے مقام سے ایک آرام کے مقام کی طرف منتقل ہو رہے ہو۔ اور جو سخت گیر فرشتے ہیں وہ ان لوگوں پر آتے ہیں جو ظالم ہیں۔ ساری عمر انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کئے ہوں۔ ان کو کہتے ہیں خود اپنی جانیں نکال کر باہر لاؤ۔ اب اس قسم کا سخت منظر ہے کہ اس کو قرآن کریم میں پڑھتے ہوئے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو اس لئے یہ کہنا کہ بعض دفعہ لوگ سخت گیر مزاج کے مستحق ہو جاتے ہیں یہ قرآنی مضامین سے مختلف نہیں۔ مگر اسے مثالی ماحول بہرحال نہیں کہا جا سکتا۔

مثالی ماحول تو وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے ثابت ہو اور آپؐ نے اپنی تمام زندگی میں اطاعت کو قائم کرنے میں جو نمونے دکھائے ہیں ان نمونوں کی پیروی کر رہا ہو۔ اگر سو فیصدی نہیں تو کوشش ضرور ہو کہ ویسے نمونے پیدا ہوں۔ جہاں یہ صورت حال ہو وہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں یہ خوبی ہے کہ وہ پھر اپنی جان بھی ایسے امیروں پہ نچھاور کرنے لگتی ہے۔ صدر ہو خدام الاحمدیہ کا، قائد ہو، زعیم ہو ان سب سے قطع نظر اس کے کہ ان کا کوئی رشتہ کوئی دوستی کا تعلق، کچھ مزاج میں ہم آہنگی ہے کہ نہیں وہ لوگ گہری محبت کا سلوک کرتے ہیں۔ ان کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کی ہر بات کو قبول کر کے ہر پہلو سے اس پر عمل درآمد کی کوشش کرتے ہیں۔

پس اس پہلو سے جماعت کی تاریخ میں بہت سی بڑی بڑی جماعتوں کی ایسی مثالیں ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ کسی ایک امیر نے ایسا سلوک کیا تو آج تک ان جماعتوں کو اسی امیر کا فیض نصیب ہو رہا ہے اور اس کی نیکیوں کا پھل آج تک کھا رہے ہیں۔ اس کے لئے دعائیں نہ کریں تو ان کی بے پرواہی ہے،

شکری ہے۔ مگر جو شخص نیک روایات پیچھے چھوڑ جائے، جس نے عرق ریزی کے ساتھ اور اپنا خون بہا کر نت کر کے وہ پاکیزہ ماحول بنایا ہو جو بہترین اسلامی ماحول ہے جس میں امیر اپنے ماتحتوں پر فدا اور ماتحت پنے امیر پر فدا، اس کی رضا پر نظر رکھنے والے ہوں یہ ماحول پھر بعض دفعہ نسلاً بعد نسل ان لوگوں پر احسان رتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ بعض شریر اس کو بدلنے کی کوشش کریں، اس کے مزاج کو بگاڑ دیں۔ پس یہ ہ باریک باتیں ہیں جن میں سے ہر بات پر نظر رکھنی ہوگی۔

جماعت کو سمجھنا چاہئے کہ ہمارا دائرہ اختیار کیا ہے۔ اطاعت کہتے کس کو ہیں۔ اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اطاعت تو اصل وہ ہے کہ مرضی کے خلاف ہو اور جان کی قربانی پیش رنی پڑے۔ امیر، بحیثیت امیر جماعت کے تصور میں نہیں وہ بھی، جو بھی جس کو خدا نے کسی حکم پر فائز رمایا ہو، جس دائرے میں بھی ہو، اس سے اگر غلطی بھی ہو جاتی ہے تو اس غلطی کو نظر انداز کر کے اپنے طاعت کے فرائض میں کوئی رخنہ نہ پیدا ہونے دیں۔ اور اس مضمون کو یاد رکھیں کہ میں اپنی جان، مال، زت اور وقت کو قربان کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ یہ اطاعت کا وہ مضمون ہے جس کو حضرت صلح موعودؓ نے اس عہد کی صورت میں ہمیں سمجھایا کہ اطاعت محض خشک اطاعت کا نام نہیں ہے کہ رضی کی بات ہو تو اطاعت کرو، جہاں تکلیفیں اور آزمائشیں سامنے آئیں وہاں اطاعت سے پیچھے ہٹ اؤ۔ جان، مال، عزت اور وقت کو قربان کرنے کے لئے تیار رہوں گا۔ بعض لوگوں کو تو میں نے دیکھا ہے کہ یہ بھی لکھتے ہیں اس امیر نے لمبی باتیں کیں، ہمارا وقت ضائع کیا۔ فلاں بات کی ہمارا وقت ضائع کر دیا۔ اگر وہ ٹھیک ہے تو میرا فرض ہے کہ اس امیر کو سمجھاؤں۔ اور اگر اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو وہ سرزنش کا سزاوار ہو گیا ہے۔ لیکن آپ کا یہ کام نہیں کہ امیر پر روزمرہ اٹھ کر ایسی باتیں کریں تم مجلسوں میں لمبی باتیں کرتے ہو ہمارا وقت ضائع کرتے ہو، بلایا ہے کوئی خاص بات بھی نہیں تھی۔ یہ دل کی بدتمیزیاں ہیں۔ ان کو حقوق قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ماتحت کے حقوق ہیں۔ ماتحت کا حق ہے تو امیر پر ہے کہ ان کے حقوق کا خیال رکھے لیکن ماتحت اس قسم کی باتیں خود نہیں کہا کرتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اپنے غلاموں کا اتنا خیال تھا کہ نماز سے بڑھ کر اور کون سالمحہ ہے جو آپ کے دل کو اپنی طرف کھینچ رہا ہو مگر ایک بچے کے رونے کی آواز آپؐ کو نماز چھوٹی کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ اس خیال سے کہ اس کی دردناک آواز اس کی ماں کے دل پر کیا اثر کرتی ہوگی نماز جلدی کر دی۔ لیکن کہیں ہم نے نہیں سنا کہ مائیں چیخ اٹھی ہوں کہ اے خدا کے رسول تجھے نمازوں کی فکر پڑی ہوئی ہے ہمارے بچے رو رہے ہیں اور تجھے پرواہ ہی کوئی نہیں۔ یہ جہالت تھی اگر ہوتی۔ لیکن یہ شان محمدؐ مصطفیٰ ہے کہ ایسا موقع آنے کا سوال ہی نہیں پیدا کبھی ہوا۔ وہ شخص جو دوسروں سے بڑھ کر ان کی تکلیفوں کا خیال رکھتا ہو اس کے اوپر جائز حملہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ تم نے بے پرواہی کی ہے۔ اور اس پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی ساری زندگی میں ایک مرتبہ بھی کسی مسلمان کو یہ کہنے کا حق نہیں ملا کہ آپ نے ہم سے بے پرواہی کی اس کے نتیجے میں ہم سے یہ واقعہ ہو گیا۔ کیونکہ آپؐ سب کی ضرورتوں پر اپنی ضرورتوں کو قربان کر دیا کرتے تھے اور اس حد تک کرتے تھے کہ تعجب ہوتا ہے کہ انسان میں اتنی طاقت کیسے ہے، ناممکن دکھائی دیتا ہے۔

بعض دفعہ بعض چیزیں اچھی بھی لگتی ہیں لیکن انسان اس حد تک ان پر عمل کر ہی نہیں سکتا جب تک اس کے سارے نظام کے اندر، اس کے اندرونی نظام کے اندر گہری تبدیلیاں واقع نہ ہوں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے بعض کردار ایسے ہیں جن کو دیکھ کر ان کی عظمت کی وجہ سے سر سے ٹوپی گرتی ہے۔ اتنے بلند ہیں۔ مکارم الاخلاق پر آپ کو فائز کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ بھی درست ہے کہ ہم پر لازم ہے کہ ان کی پیروی کریں لیکن یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے تو یہ کیا تھا تم نے تو بالکل ویسا نہیں کر کے دکھایا۔ اخلاق کے مضمون میں اور انصاف کے مضمون میں ایک فرق ہے۔ انصاف کے تقاضے اگر امیر پورا نہیں کرے گا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کو پکڑوں لیکن قربانی کے وہ نمونے نہ دکھا سکے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے دکھائے ہیں تو صرف یہ نظر ہوگی کہ کوشش کرتا ہے کہ نہیں۔ اسے نصیحت تو کی جاسکتی ہے کہ تم یہ بھی تو کر سکتے تھے۔ اس طرح بھی دل جیت سکتے تھے۔ یہ قربانی، اس قربانی کا مظاہرہ کر سکتے تھے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسے سرزنش کی جائے اور سختی کی جائے کیونکہ دو الگ الگ مضمون ہیں۔

جہاں تک امیر کے فرائض کا تعلق ہے اس پر لازم ہے کہ وہ سب سے یکساں ہو جائے اور سب سے یکساں ہونے کے لئے ایک اور اس میں خوبی پیدا ہونا ضروری ہے کہ وہ چند لوگوں کو اپنے اوپر قبضہ نہ کرنے دے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم صرف فرائض کی دنیا تک نہیں رہے۔ آپؐ کا قدم احسان کی طرف بلند ہوا ہے اور احسان سے ایتاء ذی القربیٰ میں جا کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ بلندیوں میں آپ کا وجود ہماری نظر کی رسائی سے بھی آگے نکل چکا ہے۔ اس لئے ہر ایسی کوشش جو آپ کی سنت کے مطابق ہے وہ بھی تجزیہ کے لحاظ سے مختلف مراتب رکھتی ہے۔ بعض جگہ وہ کوشش فرض میں داخل ہے۔ بعض جگہ وہ کوشش نوافل میں داخل ہے۔ لیکن نوافل کہہ کے اسے نظر انداز کرنے والا بھی فرض کو نظر انداز کر رہا ہے۔ اب بظاہر اس بات میں تضاد ہے لیکن کوئی تضاد نہیں ہے۔ ایک فرائض کی دنیا ہے اس میں امیر کا فرض ہے کہ ان سب تقاضوں کو پورا کرے جو امیر کے اوپر لازماً عائد ہوتے ہیں اور جماعت سے ایک خاص رنگ کا سلوک جس کی تفصیل میں آپ کو بتاؤں گا اس طرح وہ سلوک کرے اور کسی سے کوئی امتیاز نہ کرے۔ لیکن کس حد تک وہ ان کی بدتمیزیوں کو برداشت کرے، کس حد تک ان کے دکھوں پر شکوہ نہ کرتے ہوئے دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ان کی مدد چاہے یہ وہ احسان والا مضمون ہے جس کے متعلق ہر شخص کے اپنے اپنے حالات ہیں، اپنی اپنی صلاحیتیں ہیں۔ ان صلاحیتوں کے علاوہ ہر شخص کا پس منظر الگ الگ ہے، اس کا خاندان الگ الگ ہے۔ جس خاندان میں وہ پل کر بڑا ہوا ہے اس کے روزمرہ کے معاملات کے طریق اس پر اثر انداز ہیں، اس کی طبیعت پر ایک چھاپ لگ گئی ہے۔ یہ خیال کر لینا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سنت کا حوالہ دے کر اچانک اس کو نرم رو بنا دو گے یہ ممکن نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ میں چونکہ سخت رو ہوں اور میں نے اپنے ماں باپ سے یہ سختیاں سیکھی ہوئی ہیں اس لئے مجھے حوالہ نہ دو سنت کا یہ اس کی فرض ناشناسی ہوگی بلکہ گستاخی اور بدتمیزی ہوگی۔ اس کا صرف یہ کام ہے کہ ہاں میں نے سن لیا، میں ادب کرتا ہوں، احترام کرتا ہوں جو تم نے حوالہ دیا ہے بہت بڑا ہے۔ میری مجال نہیں ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہہ سکوں مگر تم بھی دعا کرو میں بھی کوشش کروں گا کہ آئندہ اس پہلو سے بہتر نمونہ دکھا سکوں۔

پس جو جو فرائض جس جس پر عائد ہوتے ہیں، جو جو حسن واحسان کے تقاضے جس جس پر عائد ہوتے ہیں ان کی کوشش کرنا اور دیانتداری سے کوشش کرنا نظام جماعت کی حفاظت کے لئے اور اس کے استحکام کے علاوہ اس کی بقاء اور ہمیشہ ہمیش جاری رکھنے کے لئے بڑا ضروری ہے، بہت ضروری ہے۔ یہ باریک پہلو ہیں جن کے اندر نظام جماعت کی جان مضمر ہے۔ ان باریک پہلوؤں سے نظر اٹھائیں گے تو اسی حد تک نظام جماعت بیمار پڑنا شروع ہو جائے گا۔ اس کے اندر ایسی کمزوریوں کی علامتیں ظاہر ہو جائیں گی جو رفتہ رفتہ پھر ایسے نظاموں کو پارہ پارہ کر دیا کرتی ہیں۔ تو میں جن باتوں کی طرف آپ کو توجہ دلا رہا ہوں ان کو معمولی نہ سمجھیں۔ میری نظر آئندہ لمبے عرصے تک ہے۔ میری یہ تمنا ہے کہ جماعت احمدیہ ان اعلیٰ اخلاق پر اور ان اقدار پر اتنی مضبوطی سے قائم ہو جائے کم سے کم ان اقدار پر جو نظام حفاظت کے لئے لازم ہے کہ پھر ہم اطمینان کی حالت میں اپنی جانیں خدا کے حضور سپرد کر سکیں۔ ہم کہہ سکیں کہ اے خدا جہاں تک ہم میں طاقت تھی، جہاں تک کوشش تھی ہم نے تیرے نظام کو زندہ رکھنے کے لئے اپنی زندگیوں کی قربانیاں پیش کر دی ہیں۔ اور ہم خوشی سے تیرے حضور آ رہے ہیں یہ کہتے ہوئے، جانتے ہوئے کہ یہ جماعت اب ایک نسل میں تباہ ہونے والی جماعت نہیں رہی۔ نسلاً بعد نسل ان کی خوبیاں تیرے قائم کردہ آسمانی نظام کی حفاظت کے لئے ہمیشہ قربانیاں پیش کرتی رہیں گی۔ یہ وہ روح اور جذبہ ہے جس کی خاطر میں آپ کو یہ باتیں سمجھاتا ہوں اور ان کی آزمائش کا وقت آپ پر روزانہ آتا ہے۔ اور اس وقت اگر آپ

بیدار مغزی سے اپنے حالات کا جائزہ نہ لیں۔ یہ نہ دیکھیں کہ آپ کتنی دفعہ کامیاب ہوئے ہیں، کتنی دفعہ ناکام ہوئے ہیں تو اس وقت تک آپ کو یہ باتیں سننے کے باوجود بھی عمل کی توفیق نہیں مل سکتی۔ روزمرہ اپنی زندگی کے حالات میں ان کو جاری کر کے دیکھیں۔

اب میں واپس آتا ہوں امیر کی ذمہ داریوں کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے۔ جہاں تک امیر کے فرائض کا تعلق ہے اس پر لازم ہے کہ وہ سب سے یکساں ہو جائے اور سب سے یکساں ہونے کے لئے ایک اور اس میں خوبی پیدا ہونا ضروری ہے کہ وہ چند لوگوں کو اپنے اوپر قبضہ نہ کرنے دے۔ یہ فطری کمزوری کا رجحان ہے جو ہمیں دنیا میں ہر نظام میں ملتا ہے جو بالآخر اس نظام کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ بھٹو صاحب جب برسراقتدار آنے والے تھے اور ان کی مجلس لگی ہوئی تھی ایک ہوٹل میں تو میرا چونکہ ان کے ساتھ آنا جانا تھا، تعلقات تھے، میں بھی ان کو مبارکباد دینے گیا۔ تو انہوں نے مجھے یہ کہا کہ ملتے رہا کرو آئندہ بھی۔ مطلب یہ تھا کہ اب میں حکومت پہ آگیا ہوں لیکن یہ مطلب نہیں کہ میں اپنے تعلقات کو اس وجہ سے قربان کر دوں کہ میں کوئی بڑا آدمی بن گیا ہوں۔ شاید ان کے ذہن میں یہ تھا یا کچھ اور بات ہوگی۔ میں نے ان سے کہا کہ میں تو آئندہ ملنے جلنے کا وعدہ لینے کے لئے نہیں آیا۔ یہ بتانے آیا ہوں کہ اب ملنا جلنا ختم ہو گیا ہے۔ اچانک ساری مجلس پر ایک سناٹا سا چھا گیا کہ کیسی عجیب بات کر گیا ہے یہ۔ اور بھٹو صاحب نے ایک دم سب باتیں چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو کے سوال کیا، کیا؟، یہ کیا کہہ رہے ہو تم۔ یہ کہنے آئے ہو کہ اب تم مجھ سے ملنا جلنا بند کر دو گے۔ میں نے کہا ہاں میں یہی کہنے آرہا ہوں۔ کہتے ہیں کیا مطلب ہے۔ میں نے کہا مطلب یہ ہے کہ میں نے سیاست کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہوا ہے اور مشہور جو بڑی بڑی شخصیتیں ہیں ان پر میری نظر رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اچھے سے اچھا سیاست دان بھی نیک سے نیک نیتیں لے کے بھی جب اوپر آتا ہے تو اس کے اردگرد جو جھوٹی تعریفیں کرنے والے اس کی طاقت میں Share کرنے کی خاطر، اس میں حصہ ڈالنے کی خاطر اس سے چمٹ جاتے ہیں جیسے مکھی گڑ پہ بیٹھ جائے آکے۔ وہ ہیں جو اس گڑ کو ناپاک کر دیتے ہیں پھر۔ اور بڑے بڑے ایسے سیاست دان جو بڑی نیک اور پاک نیتیں لے کے آئے تھے جب طاقت پر قابض ہوئے تو ان ظالموں نے جو اردگرد اکٹھے ہو جاتے ہیں انہوں نے ان کو خراب کر دیا۔ اور میں جھوٹی تعریف لے کر بھی کسی سے نہیں مل سکتا اور سچی بات پھر حاکم کو بری لگتی ہے۔ اور سیاست دان برداشت کر لیتا ہے جب تک وہ حاکم نہ ہو۔ اب آپ صرف سیاست دان ہی نہیں رہے آپ حاکم ہو گئے ہیں اور میں وہی ہوں مجھ میں کوئی تبدیلی نہیں۔ نہ مجھے آپ سے کوئی حرص، نہ کوئی لالچ اور ملنا نہ ملنا اس پہلو سے برابر ہے۔ تو مجھے خطرہ ہے کہ اب میں ملا اور میں نے سچی باتیں کیں تو پھر آپ کو تکلیف پہنچے گی تو بعد میں جو تعلق توڑنے ہیں ابھی کیوں نہ توڑ لئے جائیں۔ یہ باقی جو باتیں ہیں اس کو میں چھوڑتا ہوں۔

> وہ شخص جو دوسروں سے بڑھ کر ان کی تکلیفوں کا خیال رکھتا ہے اس کے اوپر جائز حملہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ تم نے بے پرواہی کی ہے

میں مثال دے رہا ہوں کہ یہ جو مضمون ہے کہ ایک صاحب اقتدار کو لوگ گھیرے میں لے لیتے ہیں یہ ایک دائمی مضمون ہے۔ تمام دنیا کی تاریخ پر اس کا برابر اطلاق ہوتا ہے اور اس تاریخ کا محض سیاست سے تعلق نہیں۔ اقتصادیات سے بھی تعلق ہے اور دوسرے انسانی زندگی کے دائروں سے بھی تعلق ہے۔ جہاں کسی آدمی کو بڑا ہوتے دیکھیں وہاں پرانے رشتے یاد آجاتے ہیں۔ پرانے تعلقات کے حوالے سے انسان اس کے گرد اکٹھا ایک جمگھٹ شروع کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ مجھے یاد ہے مجھے اس پہ ہنسی بھی بہت آئی مگر واقعہ یہ جو انسانی فطرت کی کمزوری کو ظاہر کرنے کے لئے دلچسپ ہے۔ ایک احمد نگر کی خاتون تھیں ان کے بیٹے نے ذکر کیا کہ ضیاء الحق صاحب کا یہ حال ہے دیکھو ذرا اخلاق۔ میری ماں نے فون کیا تو فون ہی نہیں اٹھایا اس پہ اور ہونے ہی نہیں دیا حالانکہ وہ بھی ارائیں ہم بھی ارائیں۔ اب ارائیں کا رشتہ اور وہ بھی جالندھر کے تھے یہ بھی جالندھر کے تھے یہ اتنا پکا ہو گیا کہ پہلے ساری عمر تو ضیاء کا خیال نہیں آیا ان کو۔ وہ حکومت پہ آیا تو ارائینیت جاگ اٹھی اور اس خیال سے اس کے گرد اکٹھے ہونے لگ گئے۔

> جس کو خدا نے کسی حکم پر فائز فرمایا ہو، جس دائرے میں بھی ہو اس سے اگر غلطی بھی ہو جاتی ہے تو اس غلطی کو نظر انداز کر کے اپنے اطاعت کے فرائض میں کوئی رخنہ نہ پیدا ہونے دیں

یہ گرد اکٹھے ہونے والے بعض دفعہ بہت ہی خطرناک نتیجے پیدا کرتے ہیں۔ اور جماعت میں یہ نہیں ہونے دینا چاہئے کسی قیمت پر بھی۔ اگر آپ کے گرد کچھ لوگوں نے ایسا گھیراؤ کر لیا جو آپ کو جماعت سے الگ کر دیں ان معنوں میں کہ جماعت کے تمام تاثرات ان سے فلٹر ہو کر آپ تک پہنچیں۔ اور براہ راست جماعت میں یہ اعتماد نہ رہے کہ آپ ان کے اسی طرح برابر ہیں اور ان کے خلاف اسی طرح بات سننے کے لئے تیار ہیں جیسے ان کی بات سنتے ہیں تو پھر آپ کی امارت اسی حد تک کمزور پڑ جائے گی۔ اس لئے بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کچھ لوگوں نے جنہوں نے خدمتیں کرنی ہیں انہوں نے اکٹھے ہونے ہی ہونا ہے۔ لیکن اب یہ آپ کا کام ہے کس کو اکٹھے کرنا ہے۔ کس کو اکٹھے اپنے گرد جمع نہیں ہونے دینا اور اگر ہوتے ہیں تو اس کو اپنے مرتبے اور مقام پہ رکھیں۔ ان کی مجال نہیں ہونی چاہئے کہ آپ کے ان معاملات میں دخل انداز ہوں جو خدا تعالیٰ نے آپ کے سپرد فرائض منصبی کے طور پر کئے ہیں۔ ایسی صورتوں میں صرف یہ جماعت کے دوسرے افراد کا تعلق نہیں۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ بیویوں کے زیر اثر آجاتے ہیں۔ اور فرائض ہیں امارت کے یا صدارت کے اور بیوی کے جو تعلقات ہیں دوسری عورتوں سے وہ تعلقات اس کے فرائض منصبی پر اس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ یہ بتاتی ہے فلاں جو عورت ہے نا اس کا خاوند تو بہت بے ہودہ ہے اور وہ ایسا ہے یا فلاں عورت جو ہے وہ بیچ میں سے آپ کو پسند نہیں کرتی۔ فلاں ماحول میں یہ باتیں ہو رہی ہیں۔ وہ کچے کانوں والا خاوند، وہ زنخوں کی طرح اپنے فیصلے پر چلنے کی بجائے اپنی بیوی کے تابع چلتا ہے جب کہ یہ دلداری اور اخلاق نہیں ہیں۔ یہ بزدلی اور نامردی ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ نظام جماعت سے بےوفائی ہے۔ کسی عورت کا کوئی کام نہیں ہے کہ جس منصب پر اس کا خاوند فائز ہوا ہے اس منصب سے تعلق میں کسی طرح بھی اس پر اثر انداز ہو۔ سوائے مغفرت رحم اور شفقت کے۔ یہ الگ مضمون ہے۔ شفقت اور رحمت اور مغفرت کی استدعا کرنا یہ تو بالکل اور بات ہے مگر پولیٹیکل Issue بنالینا اس کو کہ چونکہ میرا خاوند ایک مامور ہے کسی منصب پر اس لئے میں اس کو بتاؤں کہ فلاں اچھا ہے، فلاں برا ہے، فلاں یوں کرتا ہے، فلاں یوں کرتا ہے۔ یہ باتیں بالکل ناجائز ہیں، کسی قیمت پر قبول نہیں ہونی چاہئیں۔

اس پہلو سے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ میں نے جو اپنی بیوی سے تعلق رکھا ہمیشہ صرف ایک دفعہ ایک واقعہ ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے کچھ ناراضگی کا اظہار کیا مجھ پر تو میری بیوی کے دل پہ چوٹ لگی تو اس نے کچھ لفظ کہے۔ اس دن میں نے ان کو کہہ دیا کہ آج کے بعد پھر یہ نہیں ہوگا۔ کبھی ہوا تو تم سے کاٹا جاؤں گا اور خلیفۂ وقت کا ہو کے رہوں گا۔ چاہے وہ مجھے جوتیاں ماریں چاہے مجھے غلام رکھیں مجھے تمہاری محبت پسند نہیں ہے اس غلامی کے بدلے جس پر تمہارے الفاظ کا منفی اثر میں نے دیکھا ہے۔

وہ دن اور موت کا دن ایک دفعہ بھی کبھی ساری عمر انہوں نے میرے فرائض کے تعلق میں کبھی اثر انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ میں صدر خدام الاحمدیہ رہا، میں وقف جدید میں رہا، میں انصار اللہ میں بھی رہا اشارۃً یا کنایۃً بھی انہوں نے مجھے کبھی کوئی بات نہیں کہی اور یہی حال ہمارے گھر کے ماحول کا تھا۔ ہمارے نوکروں، ہمارے بچوں کا۔

بعض دفعہ لوگ ایسے بے وقوف ہیں اور ایسے کچی فطرت کے لوگ ہوتے ہیں، کچی عادتوں کے کہ وہ اپنی عادتیں دوسرے کی طرف اس طرح منتقل کر دیتے ہیں۔ ایک لکھنے والے نے مجھے لکھا کہ وہ جو ساری عمر آپ کے گھر نوکر رہی ہے وہ آپ کے اوپر چونکہ اثر انداز ہو جاتی ہے باتیں کر کے اس لئے آپ نے بعضوں کے متعلق اچھی رائے قائم کر لی ہے بعضوں کے متعلق نہیں۔ اس بے چاری کا تو یہ حال ہے کہ اس کے داماد کو میں نے جماعت سے خارج کیا اور مجال نہیں کہ اشارۃً بھی کبھی کوئی زبان پہ حرف لائی ہو۔ وہ جانتی ہے اس کی تربیت میرے گھر میں ہوئی ہے اس کو پتہ ہے کہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ جماعتی معاملات میں اسے زبان کھولنے کی اجازت دی جائے گی۔ پس یہ میں اس لئے مثالیں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ میں ان تجربوں سے گزرا ہوا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ کوششیں ہوتی ہیں اور مہلک ہوتی

ں۔ اور جو لوگ پھر قریبی بن جائیں، مصاحب بن کے رہیں جماعت میں، وہ سارے تقویٰ کا نظام بگاڑ کے
ے دیتے ہیں۔ کیونکہ پھر لوگوں کی نظر اللہ پر نہیں بلکہ ان کو خوش کرنے پر ہوتی ہے۔ یہ کوئی معمولی

صیبت نہیں ہے یہ تو ایک عذاب ہے جو امیر یا عہدیدار سہیڑ لے گا اگر وہ لوگوں کی باتوں میں آئے اور
گوں کی باتیں سنے۔ یہ درست ہے کہ اگر نہ بھی سنیں گے تو الزام تو لگنے ہی ہیں جیسا کہ میں نے اپنے
علق بتایا ہے الزام لگانے والے نے لگا دیا۔ مگر اس الزام تراشی سے تو محمدؐ رسول اللہ کو بھی الگ نہیں
ھا گیا، میری کیا حیثیت ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر بھی
ک بدتمیزی سے زبانیں دراز کرتے ہیں "اذن" ہے یہ تو۔ یہ تو کان ہے لوگوں کی باتیں سنتا، ان پر عمل
تا۔ فرمایا "اذن خیر لکم" اذن تو ہے مگر اچھی باتوں کا اذن ہے۔ جہاں تمہاری بھلائی دیکھتا ہے اس کا
ن جھک جاتا ہے اس طرف، قبول کر لیتا ہے۔ جہاں برائی کا سوال ہے وہاں سوال ہی نہیں، ہرگز ممکن
ں کہ آپ اس رسول کو "اذن" کہہ سکیں کسی پہلو سے بھی۔ ہر بات کی تحقیق کرتا ہے، جائزہ لیتا ہے،
صاف کے تقاضے پورے کرتا ہے، پھر تسلیم کرتا ہے ورنہ سنی سنائی باتوں کو نہیں مانتا۔ تو خیر کے حق میں
ی سنائی بھی قبول کر لیتا ہے۔ جہاں بھلائی پہنچنی ہو وہاں ضروری نہیں کہ پہلے سو فیصدی ثابت ہو جائے کہ
اچھا ہے اس لئے اس کو انعام دیا جائے۔ کسی نے اچھا کہا تو انعام کے لئے طبیعت کھل گئی اور انعام کا
سلہ جاری بھی ہو گیا۔ یہ اذن خیر ہے۔ کسی نے کسی کی بھلائی کی اچھی بات کہی تو فوراً دل پہ قبول کر لیا
لکہ اس سے پہلے ہی محبت ہے اور تعلق ہے۔ یہ نظام جو ہے "اذن" کا یہ مثبت اور منفی دونوں
رتوں میں انسانی زندگی میں جاری ہے۔

تو بعض لوگ "اذن سینہ" ہوتے ہیں "اذن خیر" کی بجائے۔ یعنی برائی کے کان ہو جاتے ہیں اور
ئی کے کان نہیں رہتے۔ ایسے لوگوں کو پھر جتنی بھی آپ برائیاں پہنچائیں گے وہ قبول کرتے چلے
ں گے یہاں تک کہ برائی کی بات سننا ان کا چسکا بن جاتا ہے اور اس عادت نے محض نظام پر بعض دفعہ
ے اثر نہیں ڈالے بلکہ اکثر گھروں کے امن کی تباہی کی یہی وجہ بنتی ہے۔ اگر گھر کے بڑے، خاوند یا بیوی
ساس یا سسر یا ماں باپ جس حیثیت سے بھی آپ ان کو دیکھیں ان کے اندر یہ عادت ہو کہ برائی سنیں
اسے قبول کریں اور اسے قبول کرنے میں لطف اٹھائیں اور یہ سمجھیں کہ اب ہمیں فلاں کے خلاف ایک
ت ہاتھ آ گئی ہے۔ یہ جو ہاتھ آنے والا مسئلہ ہے اور یہ مزہ کہ ہمیں پتہ لگ گیا ہے کہ فلاں میں کیا برائی
ہ یہی انسانی زندگی میں ایک تباہی مچا دیتی ہے انسانی زندگی کا امن لوٹ لیتی ہے۔ مگر نظام جماعت میں تو
داخل ہو گی تو اس کے بہت ہی بد اثر پیدا ہونگے اور دیر تک، دور تک اس کے اثرات جائیں گے۔ اس
ے ہم نے اگر نظام جماعت کی حفاظت کرنی ہے تو ان باتوں کا خیال رکھنا ہو گا۔

کسی امیر کو زیب نہیں دیتا کہ وہ چند لوگوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جائے یا چند لوگوں کے گھیرے
اس طرح دکھائی دے کہ دوسری باقی جماعتوں پر یہ تاثر ہو کہ یہ ہم سے الگ ہو گیا ہے اور ان کی باتیں
ہے۔ ایسی صورت میں پھر میرا تجربہ ہے کہ لوگ پھر امیر کو نہیں ان لوگوں کو باتیں سناتے ہیں اور ان
تعلقات بڑھاتے ہیں ان کی خدمت میں تحائف پیش کرتے ہیں اپنی جہالت کی وجہ سے کہ اس کو خوش
ں گے تو ہماری باتیں ہونگی۔ تو تقویٰ کہاں باقی رہا؟ تقویٰ تو خدا کو خوش کرنے کا نام ہے۔ اور ایسی

رت میں فیصلے سارے ہی غلط ہوتے ہیں۔ اور اس مزاج کے لوگ اگر امیر کو براہ راست خوش کرنے کی
ش کریں گے وہ بھی تقویٰ سے خالی بات ہو گی۔ کیونکہ ان کو پتہ نہیں کہ امیر کا مزاج اور خدا کا مزاج ہم
ک ہیں۔ اگر ہم آہنگ ہوں تو خطرہ کوئی نہیں۔ لیکن اگر امیر کے مزاج پر ان کی نظر ہے اور وہ صحیح
تے بھی نہیں کہ امیر کا مزاج ہے کیسا تو اس مزاج کو دیکھ کر فیصلے کرتے ہیں بسا اوقات وہ اللہ کی رضا کے
ف ہوتے ہیں اور امیر کو خوش کرنے کی خاطر خدا کو ناراض اور بعض دفعہ امیر کو بھی ناراض کرتے ہیں۔
ہ امیر کا مزاج غلط سمجھے ہوتے ہیں۔ اپنی ٹیڑھی سوچ کو ایک بے چارے امیر کی طرف منسوب کر دیا اور
س سوچ کی خدمت کرتے ہوئے، اس کی متابعت کرتے ہوئے غلط کام کر بیٹھے اور جب ناراضگی ہوئی تو
ن کے لئے اور مصیبت اور ٹھوکر کا موجب۔

تو یہ جو میں عمومی حوالے دے رہا ہوں یہ فرضی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو بات بھی میں کہہ رہا ہوں اس
پیچھے ایک تاریخ ہے۔ میرے سامنے لمبے ذاتی تجارب ہیں اور ہر بات کے پیچھے ایک ٹھوس حقیقت
ے۔ اس کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں۔ اپنی بات میں نے ذاتی تجربے کے طور پر تو بیان کر دی مگر اب
ں کا حال کھولنا اس لئے بھی مناسب نہیں کہ بعض باتیں جب میں بیان کروں گا تو آپ میں سے بعض
عتوں کے لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ یہ فلاں کے متعلق بات ہو رہی ہے، یہ فلاں کے متعلق بات ہو

رہی ہے۔ پھر اور بھی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ مگر تقویٰ کو فوقیت دیں اور امیر کا یہ فرض ہے کہ ایسے تاثرات کو اپنے سے زائل کرنے کی کوشش کرے اگر اس میں کچھ بھی جواز ہے۔ اور اگر جواز نہیں ہے تو پھر بھی ظالم لوگ تو ایسی باتیں کرتے ہی رہتے ہیں پھر اس کا فرض ہے مستغنی ہو جائے۔ اور یہ ایک دوسری صفت ہے جو امیر میں ہونی ضروری ہے جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم میں تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس صفت کو بڑے پیار کے ساتھ نہ صرف قبول فرمایا بلکہ اسے فروغ دینے کے لئے قرآن کریم میں آپ کے اس مزاج کو صاد فرما دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جو بہت ظالمانہ بہتان لگا ہے۔ اس بہتان کے تعلق میں سب سے زیادہ صدمہ تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو تھا۔ لیکن آپ نے اس ذاتی صدمے کی وجہ سے ان ظالموں سے خیر کے سلوک کو بند نہیں کیا، نہ پسند کیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے آپ نے بعض ایسے لوگوں سے جو اس ظلم میں بالواسطہ شریک ہو گئے تھے احسان کا سلوک بند کر دیا، جو خدمت کیا کرتے تھے ان کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اس سے ہاتھ روکا تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ انسانی ضرورتیں اور محتاجیاں الگ مسئلہ ہے۔ اس وجہ سے ایسا فعل نہ کرو۔ تو دیکھیں قرآنی تعلیم سنت محمدیہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم میں ڈھل کر کیسے عظیم نمونے پیدا کر رہی ہے جن کی کوئی تصویر سارے جہان میں نیکوں کے اندر بھی دکھائی نہیں دیتی۔ بہت باریک لطائف ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے اعلیٰ کردار کی باتیں، جو نظام جماعت سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں صرف ان پر میں کہتا ہوں اگر نظر رکھیں تو آپ حیران رہ جائیں گے۔

خدا تعالیٰ بار بار بیان فرما رہا ہے کہ فلاں شخص منافق ہے، دھوکے باز ہے، قسمیں کھاتا ہے تجھ پر ایمان لایا مگر نہیں لایا۔ مگر اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اپنے روزمرہ کے کردار میں اور اپنے نظام کے فرائض کی ادائیگی کے تعلق میں ان سے قطعاً ادنیٰ بھی ناانصافی کا سلوک نہیں کرتے۔ یہ خدا نے راز کی بات بتائی ہے۔ یہ اللہ کی مرضی ہے جس پر جس کا عیب چاہے کھول دے۔ مگر جہاں تک دنیا کے تقاضے ہیں اس علم کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم جانتے تھے کہ جب تک انصاف کے پورے تقاضے انسانی سطح پر پورے نہ ہوں کسی قانونی رد عمل دکھانے کا حق نہیں ہے۔ کچھ مزاج ہی ایسا تھا مگر مزاج کے علاوہ بھی عدل کے اعلیٰ مضامین کو اور اعلیٰ اصولوں کو جس باریکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سمجھتے تھے دنیا میں کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ پس اس پہلو سے آپ کا جو نمونہ ہے وہ یہاں بھی تو جاری ہونا چاہئے۔

اب بعض لوگ امیر کے متعلق بعض باتیں کہتے ہیں اور وہ اس تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس کے متعلق پہلا رد عمل تو یہ ہونا چاہئے کہ اگر اس نے واقعی سنجیدگی سے بات کو لینا ہے تو فرض ہے کہ وہ تحقیق کرائے اور پوری تحقیق انصاف سے کروائے۔ اس وقت تک جب تک تحقیق نہ ہو ایسے شخص سے اپنے تعلقات میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی پیدا نہ کرے۔ اور اگر تحقیق کروالے تو پھر یہ دیکھے کہ کس حد تک اس میں عفو کا حوصلہ ہے، مغفرت کا حوصلہ ہے۔ اور یہ دیکھے کہ کس حد تک عفو اور مغفرت ان کی اصلاح کا موجب بن سکتے ہیں۔ تو پھر اپنے عفو اور مغفرت کی جھولی میں ہاتھ ڈالے اور ان سے وہ احسان کا سلوک کرے جو ان کی اصلاح کا موجب ہو سکتا ہے۔ اس طرح جو بگڑے تگڑے جیسے کہتے ہیں محاورے میں، بگڑے تگڑے لوگ جو ہیں وہ بھی ٹھیک ہونے لگتے ہیں اور دن بدن سرکشوں اور بدوں کے دائرے تنگ ہونے لگتے ہیں۔ اور یہ نہ ہو تو پھر ان کے دائرے رفتہ رفتہ بڑھنے لگ جاتے ہیں۔

اور یہی ہے جو مجھے فکر لاحق ہے کہ امارت کے حقوق ادا کرنے کی طرف تو میں نے جماعت کو توجہ دلائی اگر امیر کو اپنے حقوق ادا کرنے کی طرف تفصیل سے توجہ نہ دلائی تو جماعت میرے تعلق میں یا اس اعلیٰ تقویٰ پر قائم ہو تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے فرمان اور قرآن کے فرمان کے پیش نظر عمل درآمد کرے گی بھی تو اس میں جان نہیں ہو گی۔ سچی جان پڑ ہی نہیں سکتی۔ اور پھر اس حالت کو کوئی بقا نصیب نہیں ہو سکتی۔ کوئی ایسا وقت آ سکتا ہے بیماری کا جیسے موسم بدلیں تو بعض بیماریاں سر اٹھا لیتی ہیں۔ کوئی ایسے حادثے پیش ہو سکتے ہیں ایسی جماعتوں میں کہ جہاں دبی ہوئی ناانصافی کے احساس اس وقت سر اٹھا لیں اور ایک باغیانہ رجحان پیدا ہو جائے۔ تو بعض کمزوریاں ایسی ہیں جن کے بیج بعض دفعہ باقی رہتے ہیں اور بیج ان کے کلیۃً مٹائے جا ہی نہیں سکتے۔ اصل میں صرف دیکھنا یہ ہے کہ بیج نشوونما پا کر بڑھ رہے ہیں اور پھیل رہے ہیں یا پھیلے ہوئے سکڑنے لگ گئے ہیں اور رفتہ رفتہ اپنے تنے تک آ

گئے اور تنے سے بھی ٹوٹ کر، مرجھا کر پھر وہ جڑوں تک پہنچ گئے ہیں اور جڑیں بھی پھر مرجھانے لگیں۔ یہ دو ہی رجحان ہمیں قدرت میں ملتے ہیں۔ اب دیکھیں بعض موسموں میں بعض درخت کس طرح زور کے ساتھ پتے نکالتے اور نشوونما پاتے ہیں۔ وہ جو دور بڑے ہوتے ہیں راستوں کے کناروں پر وہ رفتہ رفتہ راستوں پر قبضہ کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ کھلے راستوں سے بھی گزرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ ان کی شاخیں ہر طرف سے آکر خالی جگہوں پہ قابض ہو جاتی ہیں۔ اور جب ان پر برے دور آتے ہیں تو وہ سکڑنے لگتے ہیں، ان کی شاخیں ہٹتی ہیں پھر ٹوٹنے لگتی ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی اصل جگہ پر پہنچیں تو سڑک ساری کھلی کھلی صاف دکھائی دینے لگتی ہے۔ تو اسی طرح جماعتوں میں منافقوں کا حال ہے اور بدکرداروں کا حال ہے۔، باغیوں کا حال ہے۔ وہ فضا ان کے لئے پیدا نہ کریں کہ ان کی شاخیں آگے بڑھیں اور صراط مستقیم پر قبضے کرنے لگیں۔ اگر آپ نے توجہ نہ کی تو یہ خطرہ ہے کہ ایسا ہو جائے گا۔ ان کے لئے وہ ماحول رکھیں کہ ان کو صراط مستقیم میں داخل ہو کر راہروں کے لئے مشکل پیدا کرنے کا وہم و گمان بھی باقی نہ رہے۔ بیماریاں پالے ہوئے بیٹھے ہیں تو بیٹھے رہیں، اپنے دلوں میں سکیڑے رہیں۔ مگر امارت کا اور نظام جماعت کا یہ کام ہے کہ ان کی بیماریوں کی نشوونما کے حق میں کوئی فضا پیدا نہ ہونے دیں۔

جو امیر ان فرائض کو اس طرح سمجھ کر اپنی جماعت کی عمومی صحت پر نظر رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہاں یہ مریض سکڑنے لگتے ہیں، ان کے اردگرد بیٹھنے والے کم ہونے لگتے ہیں، ان کی مجلسیں اجاڑ ہونے لگتی ہیں یہاں تک کہ بعض دفعہ وہ اکیلے اکیلے رہ جاتے ہیں یا دو تین ساتھ کے اور ان سے لوگ خود ہی تعلق توڑ لیتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم تنہا چھوڑ دئے گئے ہیں۔ بے چین ہونگے تو اپنی جگہ ہوتے رہیں مگر جماعت کی صحت پر وہ کبھی بد اثر پیدا نہیں کر سکتے۔ اب اپنے تجربے سے آپ جن جن جماعتوں کو، جن جن حالات کو جانتے ہیں اس مضمون کو سمجھنے کی کوشش کریں اور نظر دوڑائیں تو آپ کو سب کچھ دکھائی دینے لگ جائے گا کہ ہر جگہ یہی ہوتا رہتا ہے۔ بعض جگہ بیماریوں کے اڈے بڑے ہو جاتے ہیں۔ لگتا ہے ایک عام فتنہ آگیا، ایک زلزلہ برپا ہو گیا، اس طرح لوگ تباہ ہو جائیں گے۔ بعض دفعہ اس کا برعکس منظر ہے۔

لیکن یہ مضمون چونکہ لمبا ہے ابھی۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں وقت ہو گیا ہے۔ سردست یہاں اس کو ختم کرتا ہوں۔ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نوٹ کر لیں جہاں سے بات ختم کی تھی تاکہ پھر آئندہ خطبے میں انشاء اللہ تعالیٰ اسی مضمون کو آگے بڑھاؤں گا۔ مگر آئندہ خطبہ یہاں نہیں دیا جائے گا وہ کسی اور ملک میں ہو گا اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ براہ راست وہاں سے یہاں آپ اسے سن سکیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ توفیق بخشے گا تو جن کے پاس یہ ڈش انٹینا نہیں ہیں وہاں جماعتوں کو چاہئے ان کے لئے انتظام کریں کہ جماعتی مراکز میں اکٹھے ہو کر وہ اس خطبے کو براہ راست سن سکیں۔ باقی آخر پہ دعا کی درخواست ہے۔ دعا کریں اللہ تعالیٰ یہ سفر ہر پہلو سے، ہر لحاظ سے اپنوں اور دوسروں سب کے لئے مبارک فرمائے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ

تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

بدتر گناہ

ہمارے نزدیک کلمہ حق سے خاموش رہنا اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے صاف اور روشن حکم دیا ہے وہ خلق اللہ کو نہ پہنچانا سب گناہوں سے بدتر گناہ ہے (حضرت بانی سلسلہ)

مکرم مولانا کرم الٰہی صاحب ظفر (مبلغ سلسلہ) وفات پاگئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مبلغ اسلام مکرم مولانا کرم الٰہی صاحب ظفر ۱۳ اگست ۱۹۹۶ء کو غرناطہ ہسپتال میں رات گیارہ بج کر بیس منٹ پر بقضائے الٰہی وفات پاگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ۱۴ اگست کو مسجد بشارت پیدرو آباد (سپین) میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور پھر مقامی قبرستان میں تدفین ہوئی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۷۷ سال تھی۔

مکرم مولانا کرم الٰہی صاحب ظفر ۳۰ دسمبر ۱۹۱۹ء کو بنگہ پوسی ضلع ہوشیارپور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ مڈل کا امتحان فیض اللہ چک سے پاس کیا اور میٹرک قادیان میں کیا۔ اس کے بعد اپنی زندگی خدمت دین کے لئے وقف کر دی اور پھر تادم آخر نہایت اخلاص اور وفا کے ساتھ اپنے اس عہد وقف زندگی کو نبھایا۔ ۲۴ جون ۱۹۴۶ء کو آپ بطور مبلغ سپین میں وارد ہوئے اور یوں قریباً ۵۰ سال تک سپین میں پیغام اسلام کی اشاعت میں مصروف رہے۔ اس دوران آپ کو نہایت سخت اور مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ نے ہر تنگی و ترشی کو خدا کی خاطر بڑے حوصلہ اور صبر سے برداشت کیا اور دعوت الی اللہ کے کام کو جاری رکھا۔ دعوت الی اللہ کا آپ کو جنون کی حد تک شوق تھا بلکہ تبلیغ آپ کی روح کی غذا تھی۔

محترم مولوی صاحب مرحوم مارچ ۱۹۸۸ء میں بطور مبلغ پرتگال تشریف لے گئے اور وہاں جماعت کی رجسٹریشن کروائی اور تبلیغی مرکز قائم کیا۔ کچھ عرصہ سے آپ مختلف عوارض سے بیمار چلے آرہے تھے چنانچہ بعد از ریٹائرمنٹ جنوری ۹۶ء میں آپ سپین واپس تشریف لائے۔ آپ بہت ہی محبت کرنے والے ہمدرد، ملنسار طبیعت کے مالک تھے۔

سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۶ اگست کے خطبہ جمعہ میں آپ کا محبت بھرا ذکر فرمایا اور تبلیغ اسلام کے لئے آپ کے جذبہ اور تڑپ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے لئے دعا کی تحریک کی اور دنیا بھر میں جماعتوں کو انکی نماز جنازہ غائب پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ حضور ایدہ اللہ نے نماز جمعہ کے بعد مولوی صاحب مرحوم کی نماز جنازہ غائب پڑھائی۔

مرحوم کے پسماندگان میں آپ کی اہلیہ محترمہ رقیہ شمیم بشریٰ صاحبہ اور تین بیٹے مکرم ڈاکٹر عطاء الٰہی منصور صاحب، مکرم فضل الٰہی قمر صاحب اور مکرم احسان الٰہی بشیر صاحب اور تین بیٹیاں محترمہ رضیہ تسنیم صاحبہ، محترمہ شاہدہ بیگم طاہرہ صاحبہ اور محترمہ مبارکہ امۃ الکریم صاحبہ ہیں۔ ادارہ الفضل اپنی طرف سے اور جملہ قارئین الفضل کی طرف سے حضرت مولوی صاحب مرحوم کے تمام پسماندگان سے دلی تعزیت کرتے ہوئے ان سب کو صبر جمیل عطا ہونے کے لئے دعا گو ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور جماعت کو ایسے حقی، مخلص، وفادار مبلغین اور داعین الی اللہ عطا فرماتا چلا جائے۔

پاکستان عذاب کی زد میں

امان اللہ خان مدیر ماہنامہ "آتش" لاہور نے اہل پاکستان کو انتباہ کیا ہے کہ وہ عذاب کی زد میں ہیں اور تباہی ہمارا مقدر نظر آرہی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے کتنے عذاب ہم پر آچکے ہیں۔ بے پردگی عام ہے۔ گھر گھر فحاشی اور عریانی کا چرچا ہے۔ عذاب پر عذاب آرہا ہے۔ ڈش انٹینا کا عذاب آیا ہے لیکن کسی کو عذاب سمجھنے کی فرصت ہی نہیں۔ نہ جانے ہم اللہ کے اور کس عذاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ ملک میں رشوت ستانی اور حرام خوری عام ہے۔ دینداروں کی شکل میں بھی کچھ لوگ عوام کو مزید گروہ بندیوں میں بانٹ رہے ہیں۔ ہر آدمی اپنی مسجد الگ بنانے کے فکر میں ہے۔ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے. حرام کو حرام نہیں سمجھتے. برائی کو برائی نہیں سمجھتے. موت کا خوف نہیں کہ اللہ کو منہ دکھانا ہے اور قبر کے حساب کتاب کا کسی کو ڈر نہیں۔ صرف دنیا ہی کمائی ہے۔ دنیاوی، تعلیم کے لئے اپنی اولاد کو رات دن محنت کروانے پر توجہ دی جاتی ہے۔ ایک اللہ کی کتاب ہے اسے سمجھنے کی کسی کو فرصت نہیں، قرآن ایک عملی زندگی کا خاکہ پیش کرتا ہے۔ اور ہم اسے اور اور وظائف کی حد تک محدود کئے ہوئے ہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ زندگی ہمارے سامنے ہے، جب کہ اس سے ہٹ کر خود ساختہ طریقوں اور زیادہ ثواب کمانے کے طریقوں میں پڑے اصل راہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو تباہی ہمارا مقدر ہوگی"

(ماہنامہ آتش لاہور مئی ۱۹۹۶ء صـ ۲۸)

اے کاش پاکستان کے محب وطن اور دانشور اور اہل بصیرت ٹھنڈے دل سے یہ غور فرما سکیں کہ اگر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا فیصلہ فی الحقیقت "ختم نبوت" کے تحفظ کا شاہکار تھا تو اہل پاکستان مسلسل بائیس سال سے رب ذوالجلال کے قہر و غضب کا نشان کیوں بنے ہوئے ہیں؟۔

چندہ نادہند اور بے شرح ادا کرنے والے

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسجد بشارت سپین میں اپنے ایک خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۲ء میں چندہ نادہند اور بے شرح ادا کرنے والے احباب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ایسے احمدی ہیں جو ایک آنہ بھی چندہ نہیں دے رہے۔ دنیا کے لحاظ سے ان کی کایا پلٹ چکی ہے، وہ اور ماحول میں بسا کرتے تھے کسی وقت، اب اور ماحول میں پہنچ چکے ہیں۔ کوئی نسبت ہی نہیں خدا تعالیٰ کے ظاہری فضلوں کے ساتھ اس زندگی کو جو وہ پہلے بسر کرتے تھے۔ مگر کلیتاً ان فضلوں کو بھلا کو وہ خدا تعالیٰ کے دین کی ضرورتوں سے غافل ہو کر محض اپنی ضرورتوں اور ان کے پورا کرنے کی فکر میں سرگرداں ہیں..... جن کو خدا تعالیٰ نے بہت کچھ دیا لیکن مقابل پر بہت تھوڑا پیش کرتے ہیں۔ وہ پیش نہیں کرتے جس سے ان کو محبت ہے۔ وہ پیش کرتے ہیں جو وہ زائد از ضرورت سمجھ کر پھینک سکتے ہیں۔

قرآن کریم تو فرماتا ہے "لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون" کہ ہرگز تم نیکی کو نہیں پا سکو گے جب تک کہ وہ کچھ خرچ نہیں کرو گے جس سے تمہیں محبت ہو۔ تم تو خدا کی راہ میں وہ دے رہے ہو جس سے تمہیں محبت نہیں۔ وہ زائد چیز ہے جو تم پھینک بھی سکتے ہو۔ تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا اس سے۔ تمہارے روزمرہ کے دستور پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا اس لئے اس کو کیوں ضائع کرتے ہو۔ اگر قربانی کی توفیق نہیں تو چھوڑ دو اس راہ کو لیکن خدا سے سچائی کا معاملہ کرو، تب وہ تم سے سچائی کا معاملہ کرے گا، رجوع برحمت ہو گا۔ پھر رزاق سے ڈرنا، رزاق کو دیتے ہوئے ڈرنا، اس سے بڑی بے وقوفی کوئی نہیں"۔

۱۶

مسجد المہدی گولبازار ربوہ میں بم کا خوفناک دھماکہ

(پریس ڈیسک) گولبازار ربوہ میں واقع مسجد المہدی میں مؤرخہ ۲ ستمبر ۱۹۹۶ء زبردست بم دھماکہ ہوا جس سے مسجد کی محراب کے بائیں جانب تین چار فٹ مربع دیوار گر گئی۔ صحن کی جانب تین دروازے اکھڑ کر صحن میں جا گرے۔ بقیہ دروازے مختلف جگہوں سے ٹوٹ گئے اسی طرح کھڑکیاں اور روشن دان بھی ٹوٹ گئے۔ بم دھماکہ نماز عصر سے چند منٹ پہلے ہوا اس وقت مسجد میں نمازیوں کی کافی تعداد موجود تھی کہ اچانک محراب کے ساتھ ایک کولر کے باہر زبردست دھماکہ ہوا جس سے سارا شہر لرز اٹھا۔

دھماکے سے کل ۱۳ افراد کے زخمی ہونے کی اطلاع ملی ہے جن کو فوری طور پر فضل عمر ہسپتال میں پہنچایا گیا جہاں آٹھ افراد کو مرہم پٹی کے بعد گھر واپس بھیج دیا گیا اور پانچ افراد کو ہسپتال میں رکھا گیا۔ ان میں سے دو یعنی پروفیسر محمد اسلم صابر صاحب اور شفیق احمد صاحب کی حالت تشویشناک بتائی جاتی ہے۔

۲ ستمبر کی رات کو فیصل آباد سے بم ڈسپوزل ٹیم بھی ربوہ پہنچ گئی اور جائے وقوعہ کا معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ بم دو کلو وزنی ٹائم بم تھا اور پلاسٹک بم تھا جسے مسجد کے محراب کے ساتھ کولر سے ملحقہ کھڑکی میں رکھا گیا تھا۔

فضل عمر ہسپتال ربوہ کے ایڈمنسٹریٹر مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب کی طرف سے موصولہ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق پانچوں دوست جن کو ہسپتال میں رکھا گیا تھا کی حالت روبہ صحت ہے۔ الحمدللہ۔ مکرم محمد اسلم صابر صاحب ہوش میں آچکے ہیں باتیں کرتے ہیں اور پہچانتے ہیں مگر بائیں آنکھ پر زخم کی وجہ سے آنکھ کے بارے میں حتمی رپورٹ نہیں دی جاسکتی۔

دوسرے دوست مکرم شفیق احمد صاحب غالباً دماغ پر چوٹ آنے کی وجہ سے بے ہوشی کی کیفیت ہے، مزید ٹسٹ لئے جا رہے ہیں۔

احباب جماعت سے تمام متاثرین کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ خدا تعالیٰ انہیں جلد صحت کاملہ و عاجلہ سے نوازے۔

درخواستِ دعا احباب جماعت کی خدمت میں دعا کی خاص درخواست کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ربوہ بم کے دھماکہ میں زخمی ہونے والوں کو جلد از جلد صحت عطا فرمائے۔ آمین

برطانوی ہند کے پریس اور دانشمندان مشرق و مغرب کے تاثرات

(دوست محمد شاہد، مورخ احمدیت)

”جلسہ اعظم مذاہب“ منعقدہ لاہور (دسمبر ۱۸۹۶ء) میں دیگر مذاہب عالم کے مضامین پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیکچر کی فیصلہ کن برتری دنیا کی مذہبی تاریخ کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ یہ واقعہ کئی پہلو رکھتا ہے اور ہر پہلو کئی نشانوں کا حامل ہے اور ہر نشان بہت سے معجزات پر مشتمل ہے۔ جن کا لطیف ترین خلاصہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔ یہ خلاصہ حضور کی مختلف کتابوں سے تیار ہوا ہے اور حضور ہی کے الفاظ میں ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ ایک ہندو صاحب قادیان میں میرے پاس آئے جن کا نام سوامی شوگن چندر تھا اور کہا کہ میں ایک مذہبی جلسہ کرنا چاہتا ہوں، آپ بھی مذہب کی خوبیوں سے متعلق کچھ مضمون لکھیں۔ میں نے عذر کیا پر اس نے بڑے اصرار سے کہا کہ آپ ضرور لکھیں۔ چونکہ میں جانتا ہوں کہ میں اپنی ذاتی طاقت سے کچھ بھی نہیں کر سکتا بلکہ مجھ میں کوئی طاقت نہیں۔ میں بغیر خدا کے بلائے بول نہیں سکتا اور بغیر اس کے دکھانے کے کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے میں نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ وہ مجھے ایسے مضمون کا القاء کرے جو اس مجمع کی تمام تقریروں پر غالب رہے۔ میں نے دعا کے بعد دیکھا کہ ایک قوت میرے اندر پھونک دی گئی ہے۔ میں نے اس آسمانی قوت کی ایک حرکت اپنے اندر محسوس کی اور میرے دوست جو اس وقت حاضر تھے جانتے ہیں کہ میں نے اس مضمون کا کوئی مسودہ نہیں لکھا۔ جو کچھ لکھا صرف قلم برداشتہ لکھا تھا اور ایسی تیزی اور جلدی سے میں لکھتا جاتا تھا کہ نقل کرنے والے کے لئے مشکل ہو گیا کہ اس قدر جلدی اس کی نقل لکھے۔ جب میں مضمون ختم کر چکا تو خداتعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ ”یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا“۔ چنانچہ میں نے قبل از وقت اس بارے میں اشتہار دے دیا۔ یہ اشتہار [۲۱ دسمبر ۱۸۹۶ء] لاہور کے جلسہ مذاہب سے پہلے، نہ صرف لاہور میں مشتہر کیا گیا تھا بلکہ جلسہ مذکورہ کی تاریخوں سے کئی دن پیشتر پنجاب کے اکثر شہروں میں اور ہزار ہا لوگوں میں بکثرت شائع ہو چکا تھا۔ پس ایسا ہی ہوا کہ اس جلسہ میں جس قدر مضامین پڑھے گئے ان سب پر ہمارا مضمون فائق رہا۔ اس مضمون کا جلسہ مذاہب پر ایسا فوق العادت اثر ہوا تھا کہ گویا ملائک آسمان سے نور کے طبق لے کر حاضر ہو گئے تھے۔ ہر ایک دل اس کی طرف ایسا کھینچا گیا تھا کہ گویا ایک دست غیب اس کو کشاں کشاں عالم وجد کی طرف لے جا رہا ہے۔ سب لوگ بے اختیار بول اٹھے کہ آج اسلام کی فتح ہوئی۔ اس جلسہ میں اکثر لوگ زار زار روتے تھے۔ یہ جلسہ اس مضمون کے پڑھنے سے گویا ایک صوفیاء کرام کی مجلس تھی۔ تمام زبانیں سکتہ کی عالم میں تھیں اور آنسو جاری تھے اور لذت اور وجد سے دل رقص کر رہے تھے۔ خود اس جلسہ میں غیر مذاہب کے وکلاء نے بھی پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر گواہیاں دیں کہ مرزا صاحب کا مضمون سب پر غالب رہا۔ اتمام تقریر کے بعد سب لوگوں نے مسلمانوں کو مبارک باد دی۔ مضمون چونکہ پانچ سوالات مشتہرہ کے ہر ایک پہلو کے متعلق تھا اس لئے اس کے پڑھنے کے لئے مقررہ وقت کافی نہ تھا۔ لہذا تمام حاضرین کے انشراح صدر سے درخواست کرنے پر اس کے پڑھنے کے لئے ایک دن اور بڑھایا گیا۔ یہ بھی عام قبولیت کا نشان ہے۔ [انعقاد جلسہ کی تاریخیں ۲۶، ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ دسمبر ۱۸۹۶ء)۔ لاہور شہر میں دھوم مچ گئی کہ نہ صرف مضمون اس شان کا نکلا جس سے اسلام کی فتح ہوئی بلکہ ایک الہامی پیش گوئی بھی پوری ہو گئی۔ اس روز سے ہماری جماعت کے بہادر سپاہی اور اسلام کے معزز رکن حبی فی اللہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے مضمون پڑھنے میں وہ بلاغت فصاحت دکھلائی کہ گویا ہر لفظ میں ان کو روح القدس مدد دے رہا تھا۔

جلسہ مذاہب کے بعد حق کے طالبوں کے دلوں پر اس پیش گوئی کا بہت ہی اثر ہوا کیونکہ جب انہوں نے دیکھا کہ درحقیقت یہی مضمون دوسرے مضمونوں پر غالب رہا اور تمام فرقوں کی عام توجہ اور رغبت اسی مضمون کی طرف ہو گئی۔ تب انصاف پسند لوگوں کے دلوں پر الہامی پیش گوئی کی سچائی نے عجیب اثر کیا۔ یہاں تک کہ ایک صاحب نے سیالکوٹ سے مبلغ سو روپیہ اپنے جوش خوشی سے بھیجا کہ خداتعالیٰ نے اس مضمون کو ایک نشان کے رنگ میں ظاہر فرمایا۔ یعنی اس نے ایک تو ذاتی خاصیت اس مضمون میں ایسی رکھی کہ ہر ایک فرقہ کا انسان باوجود مذہبی روکوں کے بے اختیار اس مضمون کی تعریف کرنے لگا۔ اور قریباً پنجاب کی تمام اخباریں ایک زبان سے بول اٹھیں کہ جلسہ مذاہب کے تمام مضامین کی جان یہی مضمون ہے۔ اور سول ملٹری جو ایک نیم سرکاری اخبار سمجھی جاتی ہے اس نے بھی یہی گواہی دی کہ اسی مضمون کی قبولیت ظاہر ہوئی۔ اور آبزرور نے لکھا کہ یہ مضمون اس لائق ہے کہ انگریزی میں ترجمہ ہو کر یورپ میں شائع کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کس شوکت اور شان سے یہ پیش گوئی پوری ہوئی“۔

(حقیقۃ الوحی طبع اول صـ ۲۷۸، ۲۷۹۔ ، ضمیمہ انجام آتھم صـ ۱۵، ۱۶، ۱۷ اور ۳۲۔ ، نزول المسیح طبع اول صـ ۱۹۵۔ ، تریاق القلوب طبع اول صـ ۴۴، ۴۵)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ انقلاب انگیز، روح پرور اور وجد آفریں مضمون جو خدا تعالیٰ کے پاک کلام کی ایک جامع تفسیر اور انیسوی صدی کی ایک زبردست یادگار ہے پہلی بار ۱۸۹۷ء میں ”رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب“ (مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور) میں شائع ہوا۔ یہی مضمون جولائی ۱۹۰۵ء میں مطبع ضیاء الاسلام قادیان سے ”اسلامی اصول کی فلاسفی یا اسلام اور اس کی حقیقت“ کے نام سے منظر عام پر آیا۔ اسی دوران میں مولانا محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ کے قلم سے اس کا انگریزی ترجمہ انگریزی رسالہ ”ریویو آف ریلیجنز“ قادیان میں مارچ تا اکتوبر ۱۹۰۲ء کی اشاعتوں میں چھپا جس کا عنوان تھا Islam (اسلام)، یہی ترجمہ ۱۹۱۰ء میں The Teachings of Islam کے نام سے لیڈن (Leden) ہالینڈ میں چھپا اور لندن کے نشریاتی ادارہ Luzac & Co. نے شائع کیا۔ اب تک اس شاندار تالیف کے دنیا کی مشہور ۲۷ زبانوں میں تراجم شائع ہو کر قبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ یہ زبانیں مندرجہ ذیل ہیں:-

انگریزی، عربی، نارویجن، البانین، بلگیرین، چینی، فرانسیسی، یونانی، اٹالین، پرتگیزی، روسی، ترکی، جرمن، ڈینش، یوروبا، ہاؤسا، سواحیلی، سپینش، انڈونیشین، بنگالی، برمی، ہندی، گورمکھی، ملیالم، جاپانی، نیپالی، پولش۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ منفرد تصنیف ہے جو ۲۷ زبانوں میں چھپ کر لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کے مطالعہ میں آئی اور سات براعظموں میں آباد اقوام عالم میں اس کی اشاعت ہوئی۔ اس کے علاوہ ۳۰ زبانوں میں تراجم مکمل ہو چکے ہیں اور مزید کئی زبانوں میں تراجم کئے جا رہے ہیں۔

ذیل میں اس شہرہ آفاق مضمون سے متعلق جلسہ اعظم مذاہب کے ناظمین، برطانوی ہند اور یورپ و امریکہ کے پریس اور مشرق و مغرب کے دانشوروں اور مفکروں کی اہم آراء اور تاثرات مختصر طور پر نمونۃً ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں:

(۱)

سیکرٹری جلسہ اعظم مذاہب

”پنڈت گوردھن داس صاحب کی تقریر کے بعد نصف گھنٹہ کا وقفہ تھا لیکن چونکہ بعد از وقفہ ایک نامی وکیل اسلام کی طرف سے تقریر کا پیش ہونا تھا اس لئے اکثر شائقین نے اپنی اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ ڈیڑھ بجنے میں ابھی بہت سا وقت رہتا تھا کہ اسلامیہ کالج کا وسیع مکان جلد جلد بھرنے لگا اور چند ہی منٹوں میں تمام مکان پر ہو گیا۔ اس وقت کوئی سات اور آٹھ ہزار کے درمیان مجمع تھا۔ مختلف مذہب و ملل اور مختلف سوسائٹیوں کے معتدبہ اور ذی علم آدمی موجود تھے۔ اگرچہ کرسیاں اور میزیں اور فرش نہایت ہی وسعت کے ساتھ مہیا کیا گیا لیکن صدہا آدمیوں کو کھڑا ہونے کے سوا اور کچھ نہ بن پڑا۔ اور ان کھڑے ہوئے شائقینوں میں بڑے بڑے رؤسا۔ عمائد پنجاب، علماء، فضلاء، بیرسٹر، وکیل، پروفیسر، اکسٹرا اسسٹنٹ، ڈاکٹر، غرض کہ اعلیٰ طبقہ کے مختلف برانچوں کے ہر قسم کے آدمی موجود تھے۔ ان لوگوں کے اس طرح جمع ہو جانے اور نہایت صبر کے عمل کے ساتھ جوش سے برابر پانچ چار گھنٹہ اس وقت ایک ٹانگ پر کھڑا رہنے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان ذی جاہ لوگوں کو کہاں تک اس مقدس تحریک سے ہمدردی تھی۔ مصنف تقریر اصالتاً تو شریک جلسہ نہ تھے لیکن خود اونہوں نے اپنے ایک شاگرد خاص جناب مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی مضمون پڑھنے کے لئے بھیجے ہوئے تھے۔ اس مضمون کے لئے اگرچہ کمیٹی کی طرف سے صرف دو گھنٹے ہی تھے لیکن حاضرین جلسہ کو عام طور پر اس سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ موڈریٹر صاحبان نے نہایت جوش اور خوشی کے ساتھ اجازت دی کہ جب تک یہ مضمون نہ ختم ہو تب تک کارروائی جلسہ کو ختم نہ کیا جاوے۔ ان کا ایسا فرمانا عین اہل جلسہ اور حاضرین جلسہ کی منشا کے مطابق تھا۔ کیونکہ جب وقت مقررہ کے گزرنے پر مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب نے اپنا وقت بھی اس مضمون کے ختم ہونے کے لئے دے دیا تو حاضرین اور موڈریٹر صاحبان نے ایک نعرہ خوشی سے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ کی کارروائی ساڑھے چار بجے ختم ہو جانی تھی۔ لیکن عام خواہش کو دیکھ کر کارروائی جلسہ ساڑھے پانچ بجے تک جاری رکھنی پڑی۔ کیونکہ یہ مضمون قریباً چار گھنٹہ میں ختم ہوا۔ اور شروع سے آخیر تک یکساں دلچسپی و مقبولیت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

(۲)

اخبار ”سول اینڈ ملٹری گزٹ“، لاہور

"The sources of divine knowledge, particular interest entered in the lecture of Mirza Ghulam Ahmed of Qadian, a master in the apologetics of Islam, an immense gathering of sects far and assembled to hear the lecture,

which as the Mirza himself was unable to attend in person, was read by one of his able scholars Maulana Abdul Karim of Sialkot. The lecture on the 27th lasted about three and a half hours, and was listened to with rapt attention, though so far it dealt only with the first question. The speaker promised to treat the remaining question if time was allowed. So the president and the executive committee reserved to extend their sitting to the 29th".

اس جلسہ میں سامعین کی دلی اور خاص دلچسپی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے لیکچر کے ساتھ تھی جو اسلام کی حمایت اور حفاظت کے کامل ماسٹر ہیں۔ اس لیکچر کے سننے کے لئے دور و نزدیک سے لوگوں کا جم غفیر جمع ہو رہا تھا اور چونکہ مرزا صاحب خود تشریف نہ لا سکتے تھے اس لئے یہ لیکچر ان کے ایک لائق شاگرد مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے پڑھ کر سنایا۔ ۲۷ دسمبر کو یہ لیکچر ساڑھے تین گھنٹے تک ہوتا رہا اور حاضرین نے پوری توجہ سے اس کو سنا۔ لیکن ابھی صرف ایک ہی سوال ختم ہوا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے وعدہ کیا کہ اگر وقت ملا تو باقی کا بھی سنا دوں گا۔ اس لئے اگزیکٹو کمیٹی اور پریذیڈنٹ نے یہ تجویز کر لی کہ ۲۹ کا دن بڑھا دیا جائے۔ چنانچہ سارے مضمون کے لئے بخوشی ایک دن اور بڑھا دیا گیا اور باقی مضمون بھی سامعین نے اسی ذوق و شوق سے سنا۔

(۳)
اخبار چودھویں صدی راولپنڈی
(یکم فروری ۱۸۹۷ء)

اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی نے لکھا۔

"ان لیکچروں میں سب سے عمدہ اور بہترین لیکچر جو جلسہ کی روح رواں تھا مرزا غلام احمد قادیانی کا لیکچر تھا جس کو مشہور فصیح البیان مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے نہایت خوش اسلوبی سے پڑھا۔ یہ لیکچر دو دن میں تمام ہوا۔ ۲۷ دسمبر کو قریباً چار گھنٹے اور ۲۹ کو ۲ گھنٹے تک ہوتا رہا۔ کل چھ گھنٹہ میں یہ لیکچر تمام ہوا جو حجم میں سو صفحہ کلاں تک ہو گا۔

غرضیکہ مولوی عبدالکریم صاحب نے یہ لیکچر شروع کیا اور کیسا شروع کیا کہ تمام سامعین لٹو ہو گئے۔ فقرہ فقرہ پر صدائے آفرین و تحسین بلند تھی اور بسا اوقات ایک ایک فقرہ کو دوبارہ پڑھنے کے لئے حاضرین سے فرمائش کی جاتی تھی۔ عمر بھر کانوں نے ایسا خوش آئندہ لیکچر نہیں سنا ......

ہم مرزا صاحب کے مرید نہیں ہیں نہ ان سے ہمارا کوئی تعلق ہے لیکن انصاف کا خون ہم کبھی نہیں کر سکتے اور نہ کوئی سلیم فطرت اور صحیح کانشنس اس کو روا رکھ سکتا ہے۔ مرزا صاحب نے کل سوالوں کے جواب (جیسا کہ مناسب تھا) قرآن شریف سے دئے اور تمام بڑے بڑے اصول و فروع اسلام کو دلائل عقلیہ اور براہین فلسفہ کے ساتھ مبرہن اور مزین کیا۔ پہلے عقلی دلائل سے الٰہیات کے ایک مسئلہ کو ثابت کرنا اور اس کے بعد کلام الٰہی کو بطور حوالہ پڑھنا ایک عجیب شان دکھاتا تھا۔

مرزا صاحب نے نہ صرف مسائل قرآن کی فلاسفی بیان کی بلکہ الفاظ قرآنی کی فلالوجی اور فلاسفی بھی ساتھ ساتھ بیان کر دی غرض کہ مرزا صاحب کا لیکچر بہ ہیئت مجموعی ایک مکمل اور حاوی لیکچر تھا جس میں بے شمار معارف و حقائق و حکم و اسرار کے موتی چمک رہے تھے اور فلسفہ الٰہیہ کو ایسے ڈھنگ سے بیان کیا گیا تھا کہ تمام اہل مذاہب ششدر رہ گئے۔ کسی شخص کے لیکچر کے وقت اتنے آدمی جمع نہیں تھے جتنے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت۔ تمام ہال اوپر نیچے سے بھرا ہوا تھا اور سامعین ہمہ تن گوش ہو رہے تھے۔ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت اور دیگر سپیکروں کے لیکچروں میں امتیاز کے لئے اس قدر کافی ہے کہ وقت خلقت اس طرح آ گری جیسے شہد پر مکھیاں ...... بہرحال اس کا شکر ہے کہ اس جلسہ میں اسلام کا بول بالا رہا اور تمام غیر مذاہب کے دلوں پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا۔

(۴)
اخبار "جنرل و گوہر آصفی"
(کلکتہ)

اس اخبار نے ۲۴ جنوری ۱۸۹۷ء کی اشاعت میں صفحہ ۲ پر "جلسہ اعظم منعقدہ لاہور" اور "فتح اسلام" کے دوہرے عنوان سے لکھا۔

"جلسے کے پروگرام کے دیکھنے اور نیز تحقیق کرنے سے ہمیں یہ پتہ ملا ہے کہ جناب مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری، جناب مولوی عبدالحق صاحب دہلوی اور جناب مولوی احمد حسین صاحب عظیم آبادی نے اس جلسہ کی طرف کوئی جوشیلی توجہ نہیں فرمائی اور نہ ہمارے مقدس زمرہ علماء سے کسی اور لائق فرد نے اپنا مضمون پڑھنے یا پڑھوانے کا عزم بتایا۔ ہاں دو ایک عالم صاحبوں نے بڑی ہمت کر کے مانحن فیہا میں قدم رکھا۔ مگر الٹا۔ اس لئے انہوں نے یا تو مقرر کردہ مضامین پر کوئی گفتگو نہ کی۔ یا بے سروپا کچھ ہانک دیا۔ جیسا کہ ہماری آئندہ کی رپورٹ سے واضح ہو گا۔ غرض جلسہ کی کارروائی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان تھے۔ جنہوں نے اس میدان مقابلہ میں اسلامی پہلوانی کا پورا حق ادا فرمایا ہے اور اس انتخاب کو راست کیا ہے جو خاص آپ کی ذات کو اسلامی وکیل مقرر کرنے میں پشاور، راولپنڈی، جہلم، شاہ پور، بھیرہ، خوشاب، سیالکوٹ، جموں، وزیر آباد، لاہور، امرتسر، گورداسپور، لودھیانہ، شملہ، دہلی، انبالہ، ریاست پٹیالہ، کپورتھلہ، ڈیرہ دون، الہ آباد، مدراس، بمبئی، حیدر آباد دکن، بنگلور وغیرہ بلاد ہند کے مختلف اسلامی فرقوں سے وکالت ناموں کے ذریعہ مزین بدستخط ہو کر وقوع میں آیا تھا۔ حق تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اس جلسے میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون نہ ہوتا تو اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے روبرو ذلت و ندامت کا قشقہ لگتا۔ مگر خدا کے زبردست ہاتھ نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچا لیا۔ بلکہ اس کو اس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین مخالفین بھی سچی فطرتی جوش سے کہہ اٹھے کہ یہ مضمون سب پر بالا ہے۔ بالا ہے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ اختتام مضمون پر حق الامر معاندین کی زبان پر یوں جاری ہو چکا کہ اب اسلام کی حقیقت کھلی اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔

(۵)
دی اینگلو بیلجیئن ٹائمز
(برسلز)

"The teachings of Islam " turns out a wonderful commentary on The Qur'an (The Muslim scripture) itself. The author's method has a further moral, and this is one which, to our mind, all writers on religion will do well to consider. It is that a religious treatise should be affirmative rather than negative in character. It should insist on the beauties of one system rather than on the defects of another. "The Teachings of Islam" demonstrates the principle in a pre-eminent degree, and the result is that the author has been able, without being in the least bitter towards any non- Muslim system, to guide the reader to an appreciation of Muslims fundamentals such as would have been impossible otherwise. The book rings with sincerity and conviction.

(The Anglo Belgian Times, Brussels)

"ٹیچنگ آف اسلام" مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن کی ایک نہایت عمدہ تفسیر ہے۔ مصنف کا اسلوب بیان ایک مزید اخلاقی معیار قائم کرتا ہے جسے ہمارے نزدیک مذہب پر لکھنے والے تمام مصنفین کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک مذہبی تصنیف کا انداز منفی نہیں بلکہ مثبت ہونا چاہئے۔ اسے کسی بھی سسٹم کی خوبیاں واضح کرنی چاہئیں نہ کہ محض دوسرے کی خامیاں۔ کتاب "ٹیچنگ آف اسلام" یہ اصول نہایت واضح طور پر قائم کرتی ہے۔ جس کی بناء پر اس کا مصنف قاری کو اسلام کے بنیادی اصولوں کی ستائش کی ترغیب کی خاطر کسی اور غیر مسلم سسٹم کے خلاف تلخ رویہ اختیار نہیں کرتا اور یہ بات کوئی اور طرز بیان اختیار کرنے سے ممکن نہ تھی۔ الغرض یہ کتاب خلوص اور حق الیقین کا مرقع ہے۔

(۶) دی ڈیلی نیوز (شکاگو)

"The devout and earnest character of the author is apparent"

(The Daily News, Chicago, 16 March 1912)

اس مصنف کا نہایت پرخلوص اور حقیقت پر مبنی کردار بالکل عیاں ہے۔

(۷) دی برسٹل ٹائمز اینڈ مرر

"Clearly it is no ordinary person who thus addresses himself to the west."

(The Bristol Times and Mirror)

یقیناً وہ شخص جو اس رنگ میں مغرب کو مخاطب کرتا ہے کوئی معمولی آدمی نہیں۔

(۸) دی انگلش میل

"A summary of really Islamic ideals."

(The English Mail 27 Oct.1911)

"حقیقی اسلامی خیالات کا خلاصہ"

(۹) تھیوسافیکل بک نوٹس

"Admirably calculated to appeal to the student of comparative religion, who will find exactly what he wants to know as Mohammedan doctrines on souls and bodies, divine existence, moral law and much else."

(Theosophical Book Notes, March 1912)

قابل تعریف، جچا تلا انداز جو مقابلہ مذاہب کے ایسے طالب علم کو بہت متاثر کرتا ہے جسے اس میں وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو وہ محمدی قوانین کی روشنی میں روح، جسم، روحانی زندگی، اخلاقی قوانین اور دیگر بہت سے متعلقہ امور کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔

بقیہ صفحہ 17 پر ملاحظہ فرمائیں

17

تبلیغ کے الزام میں ایک جھوٹا مقدمہ

(رشید احمد چوہدری، پریس سیکرٹری)

تھانہ سٹی احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور میں ۲۶ جون ۱۹۹۲ء کو ایک مخالف سلسلہ عبدالحمید ولد حاجی خان محمد ساکن محلہ عباسیہ احمد پور شرقیہ کی درخواست پر مکرم رفیق احمد صاحب سیکرٹری مال احمد پور شرقیہ. مکرم چوہدری منیر احمد صاحب صدر جماعت احمدیہ، احمد پور شرقیہ. مکرم ڈاکٹر منیر احمد صاحب سیکرٹری اصلاح و ارشاد اور مکرم شوکت علی شاہ صاحب کے خلاف تبلیغ کرنے کے الزام میں زیر دفعہ ۲۹۸/سی تعزیرات پاکستان ایک مقدمہ درج کیا گیا اور ۵ جولائی ۱۹۹۲ء کو مکرم رفیق احمد صاحب اور مکرم ڈاکٹر منیر احمد صاحب کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ ان دونوں کی ضمانت سیشن کورٹ. بہاولپور سے ۲۰ جولائی ۱۹۹۲ء کو کروائی گئی جبکہ بقیہ دو افراد یعنی چوہدری منیر احمد صاحب اور سید شوکت علی شاہ صاحب چونکہ اس وقت احمد پور شرقیہ میں موجود نہ تھے بلکہ ربوہ میں تھے اس لئے گرفتاری سے بچ گئے۔ ان کی ضمانت قبل از گرفتاری کرائی گئی۔ مگر ۱۸ اگست ۱۹۹۲ء کو ضمانت کنفرم نہ ہونے کے باعث مکرم چوہدری منیر احمد صاحب اور سید شوکت علی شاہ صاحب بھی گرفتار ہو گئے۔ اسسٹنٹ کمشنر کی عدالت نے ضمانت کی درخواست مسترد کر دی تاہم سیشن کورٹ کی عدالت سے ۳۱ اگست ۱۹۹۲ء کو ان کی ضمانت بھی منظور ہو گئی۔

اس مقدمہ کا پس منظر یوں ہے کہ ۲۲ مئی ۱۹۹۲ء کو مکرم چوہدری منیر احمد صاحب صدر جماعت احمد پور شرقیہ کے گھر واقع غلہ منڈی نماز جمعہ ادا کیا گیا۔ اسی دن جمعہ کے بعد داعیان الی اللہ کی ایک میٹنگ تھی جس میں مربی صاحب اور دیگر عہدہ دار شامل تھے۔ میٹنگ کے بعد مربی صاحب اور چند دیگر احباب گھر سے نکلے تو راستہ میں بیٹھے اوباشوں نے انہیں گالیاں دینی شروع کر دیں مگر انہوں نے ان بدمعاشوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور چلے گئے۔ کچھ دیر بعد جب ڈاکٹر منیر احمد صاحب اور رفیق احمد صاحب وغیرہ گھر سے نکلے تو پانچ چھ نوجوانوں نے انہیں گھیر لیا۔ رفیق احمد صاحب کو گریبان سے پکڑ لیا اور ان سے لٹریچر پمفلٹ "دعوت الی اللہ کے تقاضے"، حضور انور کے خطبات کے کیسٹ، مقامی جماعت کا بجٹ اور ڈائریاں جو خدام الاحمدیہ نے چھپوائی ہوئی تھیں چھین کر لے گئے۔ جن کو بعد میں پولیس کے روبرو پیش کر کے تبلیغ کرنے کا مقدمہ بنایا گیا۔

یہ مقدمہ مختلف عدالتوں میں ساڑھے تین سال کے لگ بھگ زیر سماعت رہا۔ جوڈیشل مجسٹریٹ بہاولپور نے ۲ اپریل ۱۹۹۶ء کو اس کا فیصلہ سنایا اور مقدمہ میں ماخوذ چاروں احمدیوں کو دو دو سال قید اور پانچ پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی۔ چاروں کو گرفتار کر کے بہاولپور سنٹرل جیل بھجوا دیا گیا۔ ان چاروں کی ضمانت کی درخواست داخل کی گئی چنانچہ ۴ اپریل ۱۹۹۶ء کو فیاض بھٹہ صاحب ایڈیشنل سیشن جج بہاولپور نے ان کی ضمانت منظور کی اور وہ جیل سے رہا ہوئے۔ اب سزا کے خلاف اپیل سیشن کورٹ میں زیر سماعت ہے۔

احباب کرام سے درخواست ہے کہ وہ پاکستان میں مختلف مقدمات میں ملوث تمام احمدی مسلمانوں کے لئے درد دل سے دعائیں جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو باعزت بری فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے دشمن کے ہر شر سے محفوظ رکھے۔

الفضل انٹرنیشنل کے خریداران توجہ فرمائیں

خداتعالیٰ کے فضل سے ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن بڑی شان و شوکت سے سے شائع ہو رہا ہے۔ جس میں حضور انور کے تازہ خطبات جمعہ، ارشادات، خطابات اور مجالس عرفان کے موتی بکھیرے جاتے ہیں۔ ایم ٹی اے انٹرنیشنل کے پروگرام کی تازہ ترین جھلکیاں مختصرات کے کالم میں شائع ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں جماعت ہائے احمدیہ عالمگیر کی خبریں، علمی و تحقیقی مضامین اور دلچسپ معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ دنیا بھر میں جماعت احمدیہ میں شائع ہونے والے رسائل و جرائد کے مضامین کے خلاصے پیش کئے جاتے ہیں۔ ان جملہ معلومات سے بھرپور و معمور اخبار نہ صرف آپ کے لئے بلکہ آپ کے بچوں کے لئے بھی بےحد ضروری ہے۔ یہ وہ روحانی مائدہ ہے جس سے آپ کو بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ الفضل انٹرنیشنل کا سالانہ چندہ صرف 90 ڈالر امریکن ہے۔ اس کا سال جنوری سے شروع ہوچکا ہے۔ الفضل انٹرنیشنل لندن کے سال رواں کا سالانہ چندہ بعض احباب نے ابھی تک ادا نہیں کیا۔ ان سے درخواست ہے کہ براہ کرم اس کی ادائیگی کی طرف توجہ فرمائیں۔ الفضل انٹرنیشنل آپ کا اپنا پرچہ ہے اس کی زیادہ سے زیادہ خریداری کے ذریعے اس روحانی چشمہ کے فیض کو عام کریں۔

(۱۰)

...نامور روسی مفکر کاؤنٹ ٹالسٹائی

"The ideas are very profound and very true."

...خیالات نہایت گہرے اور سچے ہیں۔

شاندار مستقبل

... اسلامی اصول کی فلاسفی کے تراجم کی وسیع پیمانہ پر
...اعت اور اس کے متعلق مذکورہ بالا عالمی تاثرات سے
...بی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس معرکہ آراء کتاب
...نے دنیائے افکار و خیالات میں کس طرح زبردست
...لکہ مچا دیا ہے مگر یہ تو اس عظیم اور بین الاقوامی
...انی انقلاب کا نقطہ آغاز ہے جس کی جھلک سیدنا حضرت
... موعود علیہ السلام کو ایک صدی قبل جناب الٰہی کی
...ف سے دکھلائی گئی تھی۔ چنانچہ حضور نے اشتہار ۲۱
...ر ۱۸۹۶ء میں تحریر فرمایا:

"خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ ..... اس کی
...ب کتاب کا جلوہ ظاہر ہو۔ میں نے عالم کشف میں
... کے متعلق دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک
... مارا گیا اور اس ہاتھ کے چھونے سے اس محل میں
... ایک نور ساطع نکلا جو اردگرد پھیل گیا اور میرے
...وں پر بھی اس کی روشنی پڑی۔ تب ایک شخص جو
...ے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا کہ اللہ اکبر
...ت خیبر۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس محل سے میرا
...مراد ہے جو جائے نزول و حلول انوار ہے اور وہ نور
...ی معارف ہیں اور خیبر سے مراد تمام خراب مذہب
...جن میں شرک اور باطل کی ملونی ہے اور انسان کو خدا
...ہ دی گئی یا خدا کی صفات کو اپنے کامل محل سے نیچے
...یا ہے۔ سو مجھے جتلایا گیا کہ اس مضمون
... خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا
...ٹ کھل جائے گا اور قرآنی سچائی دن
...ی زمین پر پھیلتی جائے گی جب تک کہ اپنا
...ہ پورا کرے"۔

(ضمیمہ انجام آتھم صہ ۱۶، ۱۷)

...ی نصرت کے لئے اک آسماں پر شور ہے
...ب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

...ری گزارش

...ب سے یہ ضروری گزارش ہے کہ جب
...ب حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
...ط لکھتے ہیں تو اپنا صاف اور
...سط ایڈریس [illegible] ساتھ لکھا کریں۔

صحابہ کرامؓ حضرت مسیح موعودؑ کا نہایت اعلیٰ کردار

سلسلہ کے ساتھ اخلاص اور خدمتِ دین کی تڑپ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک باطنی کمند کے ساتھ مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور ایک باطنی کمند کے ساتھ سعید روحوں کو میری طرف لے آیا۔ سو یہ بات درست اور واقعی درست ہے کہ سعید روحیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف اسی طرح کھینچی گئیں جس طرح شہد کی طرف چیونٹیاں کشاں کشاں آجاتی ہیں اور پھر ان سعید روحوں نے خدمت دین کے کام بھی وہ کئے جن کی مثالیں صرف حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کے مبارک زمانہ میں نظر آتی ہیں اور اس زمانہ میں بھی درحقیقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت ہی اپنے ایک کامل ظل کے ذریعے کارفرما ہوئی۔ سو نتیجہ بھی کیوں نہ ویسا ہی ہوتا۔

ان سعید روحوں میں سے ایک حضرت حافظ مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ تھے جن کو اخلاص اور خدمت دین اور معرفت الٰہی اور تبحرّ علمی میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے اولیت حاصل تھی۔ پہلی مرتبہ جب آپؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا تو آپؓ اسیطرح حضور علیہ السلام کے پہچاننے والے اور آپؑ پر ایمان لانے والے ہوگئے جس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ نہ انہیں صداقت کے شناخت کرنے میں کوئی تامل ہوا نہ انہیں۔

پھر ایمان لانے کے بعد آپؓ نے جس اخلاص اور جس خدمتِ دین کی تڑپ کا مظاہرہ کیا وہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی کیفیت ہی رکھتا ہے۔ آپؓ کا ایک مکتوب جو آپؓ نے ابتداء میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں تحریر فرمایا سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے، وہ خط یہ ہے:

مولانا مرشدنا امامنا ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !! عالیجناب ! میری

دُعا یہ ہے کہ ہر وقت حضور کی جناب میں حاضر رہوں اور امام زمان سے جس مطلب کے واسطے وہ مجدّد کیا گیا ہے وہ مطلب حاصل کروں۔ اگر اجازت ہو تو میں نوکری سے استعفیٰ دے دوں اور دن رات خدمتِ عالی میں پڑا رہوں۔ یا اگر حکم ہو تو اس تعلق کو چھوڑ کر دنیا میں پھروں اور لوگوں کو دینِ حق کی طرف بلاؤں اور اسی راہ میں جان دے دوں۔ میں آپ کی راہ میں قربان ہوں۔ میرا جو کچھ ہے میرا نہیں آپ کا ہے۔ حضرت پیرو مرشد میں کمال راستی سے عرض کرتا ہوں میرا سارا مال و دولت اگر دین کی اشاعت میں خرچ ہو جائے تو میں مُراد کو پہنچ گیا۔ اگر خریدار براہین کے توقف طبع کتاب سے مضطرب ہوں تو مجھے اجازت فرمائیے کہ یہ ادنیٰ خدمت بجالاؤں کہ ان کی تمام قیمت ادا کردہ اپنے پاس سے واپس کر دوں۔ حضرت پیرو مرشد نابکار شرمسار عرض کرتا ہے اگر منظور ہو تو میری سعادت ہے میرا منشاء ہے کہ براہین احمدیہ کی طبع کا تمام خرچ مجھ پر ڈال دیا جائے۔ پھر جو کچھ قیمت میں وصول ہو وہ روپیہ آپ کی ضرورت میں خرچ ہو۔ مجھے آپ سے نسبت فاروقی ہے اور سب کچھ اس راہ میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ دعا فرمائیں کہ میری موت صدیقوں کی موت ہو۔"

یہ باتیں صرف خط میں ہی نہیں تھیں بلکہ آپ نے عین اس کے مطابق کر دکھایا اور ایسے اخلاص سے یہ غلامی اختیار کی کہ اپنا کچھ بھی نہ رہنے دیا اور سب کچھ ہی نثار کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دروازے پہ دھونی رما کر بیٹھ گئے۔ اور ہر وقت خدمتِ دین کے لئے کمربستہ رہے اور سلسلہ کے ساتھ کمال اخلاص کا نمونہ دکھایا۔ سلسلہ کی تائید میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔

مَیں نے اپنی ایک تقریر میں جو جلسہ سالانہ ۱۹۶۲ء کے موقع پر کی گئی تھی۔ حضرت حکیم مولانا نور الدّین صاحب رضی اللہ عنہ اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کے علاوہ نو دیگر بزرگ صحابہ حضرت مولانا عبد الکریم صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت مولوی نواب محمد علی خان صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، حضرت مولوی شیر علی صاحب، حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اور حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف صاحب شہید رضی اللہ عنہم کا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا تھا۔ درحقیقت ان میں سے ہر ایک آسمان کے ستاروں کی طرح روشن تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر قربان، خدمتِ دین کے جذبے سے سرشار، اور اپنی قربانیوں کو انتہا تک پہنچانے والا۔ حضرت مولانا عبد الکریم جیسا شعلہ بیان لیڈر اپنی تمام مشیخت چھوڑ کر قادیان میں آ بیٹھا اور آخر تک مامورِ زمان کی زبانِ فیض ترجمان بنا رہا۔ آپ کے متعلق حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا:۔

"آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کے ساتھ اتنی شدید محبت تھی کہ اس محبت کا اندازہ اس شخص کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا جس نے آپ کو دیکھا اور آپ سے باتیں کی ہوں۔ جب آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر کرتے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے جسم کے ذرّے ذرّے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت داخل ہو گئی ہے۔"

حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ نے ۱۹ سال کی عمر میں قادیان آ کر پہلے حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص کے طور پر دینی علوم حاصل کئے اور پھر دل لگا کر یہ علوم لوگوں کو پڑھاتے رہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ۵/- روپے ماہوار سے آپ کا گزارہ شروع کیا گیا تھا۔ شادی ہونے پر ۱۰/- روپے کر دیئے گئے، اور بچی پیدا ہونے پر ۱۵/- روپے۔ ہاں بعض صاحب حیثیت بزرگ آپ سے اخلاص کی وجہ سے بھی آپ کو کچھ بھیج دیتے تھے۔ یہ لوگ بھی اسیطرح ضروریات زندگی رکھتے تھے جس طرح ہم رکھتے ہیں۔ ان کے اندر بھی اسیطرح دل تھے جس طرح ہمارے اندر ہیں۔ لیکن کیا یہ عجیب نظارہ نہیں کہ انہوں نے اپنے دلوں کو دنیا اور اس کے خیالات سے بالکل فارغ کر دیا اور محض خدا کے ہو گئے اور اسی کے لئے محنتِ شاقہ برداشت کرتے ہوئے ساری عمر بسر کی۔ ایک وقت تھا کہ ان کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑوں کا ہوا کرتا تھا اور جمعرات کی شام کو عشاء کی نماز کے بعد اسے دھو لیتے اور سوکھنے کے لئے ڈال دیتے اور صبح کو پہن لیتے۔ کیا دنیا سے ایسی بے نیازی بھی کہیں نظر آتی ہے؟ ہر ایک اپنے نفس اور بال بچوں کے لئے آرام کی فکر میں پڑا ہوا ہے لیکن یہ لوگ تھے جو خدا کے مسیح کو دیکھ کر اپنے نفسوں سے فارغ ہو گئے۔ دنیا کو تین طلاق دے دیں اور دن رات محض اپنے خدا کی محبت میں اور خدمتِ دین کرتے ہوئے گزار دیئے۔ جو شخص دنیا کے خیالات سے بالا ہو سکتا ہے بس سمجھ لو اگر کچھ پایا ہے تو اُسی نے۔

ضمناً ایک بات کا ذکر کر دیتا ہوں۔ ایک مرتبہ یہ عاجز رمضان شریف کے آخری عشرہ میں قادیان میں تھا۔ ایک رات شدت سے احساس ہوا کہ یہ لیلۃ القدر ہے۔ صبح نماز کے بعد حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد مبارک سے نکلا تو ان سے پوچھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی رات جو گزری ہے لیلۃ القدر تھی اس سے اس عاجز کی تسلی ہو گئی۔

حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ نے بڑے بڑے مناظرے بھی کئے اور سلسلہ کی صداقت میں تقاریر بھی ہمیشہ کیں۔ بڑی پُر مذاق طبیعت تھی۔ ایک دفعہ گورداسپور میں ایک تقریر کی۔ رات کو خاصی دیر ہو گئی اور بہت سے حاضرین سوئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تقریر ختم کرلی تو زور سے ہاتھ میز پر مار کر فرمایا دوستو اب اُٹھ کھڑے ہو میری تقریر ختم ہو گئی ہے۔ سب ہنس پڑے۔

قرآنی علوم میں آپؓ نے خاص خدمت سر انجام دی۔ آپؓ کا غضب کا حافظہ جو صرف خدمتِ دین کے لئے استعمال ہوا۔

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کا بھی یہی حال تھا۔ حد درجہ ذہین اور نکتہ رس سب ذہانت دین اور صرف دین کے لئے صرف ہوئی۔ معمولی سے گزارے پر ساری عمر گزار دی۔ آپ کی خاندانی وجاہت آپ کے لئے بہت کچھ سہولتیں دنیوی زندگی میں پیدا کر سکتی تھی۔ لیکن آپؓ نے فقر اختیار کیا اور اپنی ساری طاقتیں خدمتِ دین اور اپنے خدا کو راضی کرنے میں لگا دیں۔ ہم نے آپؓ کو ساری ساری رات کام کرتے دیکھا۔ سلسلہ کے بڑے بڑے اہم کام آپ کے سپرد ہوتے اور انہیں پوری جانفشانی سے سرانجام دیتے۔ کبھی دُنیا کی طرف نگاہ نہ کی۔ پیوند لگا کر کپڑے پہن لیتے۔ لیکن چہرے پر دینی بلندی نظر آتی۔ حدیث پر اس قدر عبور تھا کہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کی مجالس کا پورا نقشہ کھینچ دیتے اور آپ کی پیاری پیاری باتیں بڑی لذت سے بیان کرتے۔ آپ کے بیان میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ بات خود بخود دل میں اُتر جاتی اور بسا اوقات آنکھوں میں آنسو لے آتی۔ غریبوں کا بڑا خیال رکھتے۔ دلداری کا پہلو بہت غالب تھا۔ مہمانوں اور دوسروں کے باریک احساسات کو بھی صدمہ نہ پہنچاتے۔ دل بہت شفیق پایا تھا۔ خاکسار کو انہیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا اور ہمیشہ لُطف اُٹھایا۔ آپ جیسے لوگوں کا وجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا زندہ نشان تھا۔ ایسے پاکیزہ اخلاق والے لوگ دُنیا کہاں سے لائے گی؟ کاش ان لوگوں کے جانشین اسی طرح سے دین کی رونق کو قائم رکھیں۔

حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ اسی پاکبازوں کے گروہ کے ایک کمیاب گوہر تھے۔ آپؓ نے ابتدائے صدی میں بی اے کیا اور ساری عمر خدمتِ سلسلہ میں گزاری۔ طبیعت نہایت درجہ سادہ لیکن لیاقت میں ایسے کہ انگریزی تفسیر القرآن میں سب سے زیادہ کام کیا۔ ریویو انگریزی کی اڈیٹری بھی خوب کامیاب طور پر کی۔ ایک دفعہ مسٹر منوہر لعل وزیر مالیات ہندوستان نے خاکسار کو کہا کہ حضرت مولوی صاحب ایسے لائق شمار ہوتے تھے کہ اگر دُنیا کی طرف جاتے تو اُن سے بڑے عہدہ پر ہوتے۔ لیکن آپ نے دینی خدمت کی خاطر درویشانہ زندگی گزاری۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ واقعی فرشتہ ہیں اور دُنیا کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں رکھتے۔ خدمت دین اور عبادت الٰہی دو ہی شغل تھے۔ عبادتِ الٰہی نے آپ میں ایک خاص کشش پیدا کر دی تھی۔ ایک دفعہ خاکسار اور خاکسار کے ایک دوست نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم روزوں کے آخری عشرہ میں نماز تہجد آپ کی امامت میں ادا کیا کریں گے۔ آپ نے اسے منظور فرما لیا اور قادیان میں جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے وہاں خود تشریف لا کر نماز تہجد پڑھاتے رہے۔ سورۃ فاتحہ کی ایک ایک آیت کو محبت بہت مرتبہ دُہراتے اور آواز میں عجیب رقت ہوتی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے آپ کو تفسیر انگریزی کی تکمیل کے لئے انگلستان بھی بھیجا۔ اس میں یہ بھی مدنظر

تھا کہ وہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک بزرگ صحابی کو بھی دیکھ لیں۔ آپؓ کی شخصیت میں ایسا
وقار تھا کہ ایک مرتبہ محترم ملک عمر علی صاحب مرحوم رئیس ملتان کے چچا ملک نصیر بخش قادیان گئے۔ وہ
بہت موٹے تھے اور بیٹھے ہوتے تو بغیر کافی سہاروں کے اٹھ نہیں سکتے تھے۔ ایک روز حضرت
مولوی صاحب تبلیغ کی غرض سے ملک نصیر بخش صاحب کے پاس گئے تو وہ حضرت مولوی صاحب کو
دیکھتے ہی بے اختیار کھڑے ہو گئے۔

وقت کی قلت وجہ سے میں صرف چند ایک صحابہ کا اور ذکر کرتا ہوں۔ ورنہ یہ حقیقت یہ ہے
کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوت قدسی نے اس قسم کے ہزاروں آدمی پیدا کر دیئے جو روحانی
دنیا کے لئے رونق بنے اور جن کے پاس بیٹھنے والے لطف اندوز ہوتے رہے۔

حضرت پیر منظور محمد صاحب رضی اللہ عنہ قاعدہ یسرنا القرآن کے موجد تھے۔ اس قاعدہ کو
بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ سینکڑوں روپیہ ماہوار اس زمانہ میں آپؓ کی آمد ہوتی لیکن آپؓ کی دین کے
لئے قربانی کا یہ حال تھا کہ صرف ۲۰/- روپیہ ماہوار اپنے اخراجات کے لئے رکھتے تھے اور باقی سب
حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اشاعت قرآن کریم اور اشاعت اسلام کے لئے بھیج دیتے۔
۱۹۴۰ء کے بعد جب گرانی ہو گئی تو ۴۰/- روپیہ ماہوار رکھنے شروع کر دیئے اور ایک سال میں دس ہزار
روپیہ خدمت دین کے لئے دیا۔ وہ خود ٹانگوں سے معذور ہو جانے کی وجہ سے باہر نہیں آ سکتے تھے۔ اس
لئے یہ عاجز ان کی خدمت میں ان کے مکان پر ہی حاضر ہوتا رہتا۔ اور اُن کی باتوں سے لطف اٹھاتا تھا۔ صرف
ایک کمرہ تھا جس میں ان کی چارپائی بھی ہوتی تھی اور ان کا کلرک بھی بیٹھتا تھا۔ وہی سونے کا کمرہ تھا، وہی
بیٹھک اور وہی دفتر۔ اس میں سارا پڑا ہوا سامان چالیس روپیہ سے زیادہ کا نہ ہوتا تھا لیکن
ایک ایک سال میں دس دس ہزار روپیہ سلسلہ کی ضروریات کے لئے بھیج دیتے تھے۔ وہ اگر چاہتے تو
عالی شان مکان بنا لیتے اور اسے اچھی طرح سے سجا لیتے لیکن اپنی ذات کے لئے سادگی اور دین کے
لئے قربانی کا جذبہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اسی کی تسکین میں لذت پاتے تھے اور خود کو فراموش کئے
ہوئے تھے۔ بھلا اس قسم کے لوگ دنیا میں تلاش کر کے تو دیکھو کیا کہیں مل سکتے ہیں؟ جب پاکستان
وجود میں آیا تو لاہور لے جانے کے لئے آپ کو بھی کمرے سے باہر لایا گیا۔ آپؓ نے جب اتنے
سالوں بعد قادیان کی ترقی دیکھی کہ چاروں طرف اس قدر پھیل گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بار بار حمد کی کہ اس
نے اپنی پیشگوئیوں کو کس شان کے ساتھ پورا کیا۔

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی رضی اللہ عنہ آپ ہندو قوم سے تھے لیکن اللہ تعالیٰ
نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل چودہ پندرہ سال کی عمر میں احمدیت قبول کرنے کی توفیق
دی۔ والدین کی طرف سے بہت سختیاں برداشت کیں لیکن پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اچھے

بھلے کماتے پیتے خاندان میں سے تھے، لیکن دین کی خاطر تنگی کو دنیا کی فراخی پر ترجیح دی۔ معمولی معمولی کاموں سے اپنا گزارہ کرتے رہے اور خدمت دین کو مقدم رکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک میں پہرہ دینے، بٹالہ سے ڈاک تار لانے لے جانے، لنگر خانہ کے لئے چیزیں فراہم کرنے اور سفروں میں حضور کی رفاقت کرنے کی خدمات وقتاً فوقتاً آپ سے لی جاتی رہیں۔ بہت سے ہنگامی کاموں میں آپ کو بھیجا جاتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر آپ کے جسدِ مبارک کی آخری زیارت کروانے کا کام بھی آپ کے سپرد ہوا۔ خلافت اولیٰ اور خلافت ثانیہ کے زمانہ میں آپ آپ بڑی مستعدی سے مختلف کام سرانجام دیتے رہے۔ آپ کی ساری عمر اسیطرح سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے خدمت دین میں گزری۔

آپ بڑے غیر تمند تھے۔ سخت تنگی کی حالت میں بھی دست سوال دراز نہ کرتے تھے اور برداشت کرتے تھے۔ آپ کو مل کر ایک راحت ہوتی تھی۔ اس عاجز کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک سکھ کی طرف سے میرے اور ایک اور معزز دوست کے خلاف ایک مقدمہ بنا دیا گیا جو خدا کے فضل سے عدالت میں جانے سے قبل ہی میرے خلاف تو واپس لے لیا گیا اور وہ دوست بھی جلد ہی بری ہو گئے۔ اس کے دوران ایک دفعہ حضرت بھائی صاحب، مجھے اپنے مکان کے سامنے مل گئے اور فرمانے لگے اور تو میرے پاس کچھ نہیں یہی مکان ہے اگر آپ کو ضرورت پڑے تو آپ جس وقت چاہیں اسے فروخت کر کے ضرورت کو پورا کر لیں۔ مجھے خدا کے فضل سے اس کی ضرورت نہ تھی لیکن انہوں نے اپنی طرف سے اظہار محبت فرما دیا۔ تو یہ لوگ اپنے اندر عجیب رنگ رکھتے تھے۔

حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ رضی اللہ عنہ۔ آپ بھی لڑکپن میں ہندو سے مسلمان ہوئے تھے۔ اُن کے والد ڈاکٹر تھے۔ ان کی طرف سے بڑی اذیتیں دی گئیں تا وہ واپس اپنے مذہب میں چلے جائیں۔ لیکن انہوں نے ان سب تکالیف کو برداشت کیا اور ان سے پیچھا چھڑا کر قادیان پہنچ گئے اور پھر ساری عمر تبلیغ احمدیت میں گزار دی۔ آپ کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہمیں شیخ صاحب جیسے مبلغ چاہئیں۔ گزارے کے لئے آپ معمولی سے معمولی کام بھی اختیار کرتے رہے۔ کبھی گنے بیچتے اور کبھی دودھ۔ بڑی دعائیں کرنے والے اور صاحب الہام بزرگ تھے حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ عنہ آپ سے بہت تعلق رکھتے تھے۔ آپ بہت متوکلانہ شان رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی طرف سے آپ کی ضرورت کو پورا کر دیتا تھا۔ حضرت نواب صاحب رضی اللہ عنہ بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ اس عاجز کو آپ کی خدمت میں بہت مرتبہ حاضر ہونے کا موقع ملتا۔ آپ ہمیشہ سلسلہ کی ترقی کے متعلق سوچتے

رہتے۔ اس کے لئے دعائیں بھی بہت کرتے۔

میں صرف چند ایک مثالیں دے سکا ہوں ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاک صحبت نے عجیب عجیب گوہر پیدا کئے جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے اور انسانی قلوب کو گرماتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر ان گنت رحمتیں ہوں ۔

(تنویر القلوب جلد دوم ص ۹۳ تا ص ۹۹ حضرت مرزا عبدالحق صاحب
آف سرگودھا)

وقت کی اہم ضرورت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنوں کو صحبت صالحین کی تاکید فرمائی ہے۔ اس ارشاد باری تعالیٰ پر عمل کرنے کی ایک نہایت ہی پیاری اور بہت ہی حسین صورت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمارے لئے یہ پیدا کر دی ہے کہ ہم ہر روز MTA کے ذریعہ اپنے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ حضور کا دیدار کر سکتے ہیں۔ خلیفہ وقت کے ارشادات، کلمات فرمودات اور خطبات سن سکتے ہیں۔ خطبات جمعہ اور مجالس عرفان سے علمی، تحقیقی اور روحانی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ علم و عرفان سے اپنی جھولیاں بھرنے اور اپنے گھر بیٹھے بٹھائے حضور انور کی دلچسپ اور ایمان افروز مجالس میں شمولیت کرنے کا یہ ایک سنہری موقع ہے۔ ان سے بھرپور فائدہ اٹھانا، پورے عزم اور ولولہ سے شرکت کرنا اور اہتمام سے ان پروگراموں کو دیکھنا ہماری علمی، روحانی اور دینی ترقی کی ضمانت ہے۔ سعید روحوں تک کلمہ حق پہنچانے کا یہ بہترین اور موثر ذریعہ ہے۔ احباب جماعت سے درخواست ہے کہ وہ تبلیغ کے لئے اس ذریعہ ابلاغ کو ضرور استعمال کریں۔ اور آپ ہمیشہ اس بات پر غور کرتے رہیں کہ کیا آپ اور آپ کے بچے اس روحانی مائدہ سے فائدہ اٹھا رہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو کیوں؟

تعزیتی مجالس کے آداب

(بشیرالدین احمد سامی)

ہر مجلس کی طرح تعزیت کے بھی کچھ آداب اور لوازمات ہوتے ہیں۔ مختلف طبقات میں جدا جدا طریق رائج ہیں۔ ہر معاشرہ نے اس موقع کو بہت سنجیدگی سے لیا ہے۔ اور اپنے طرز عمل میں میت کے احترام اور لواحقین سے ہمدردی کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ عزیز و اقارب، دوست احباب اور پڑوسی سب ہی افسوس والے گھر میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ مرنے والے کی اچھی باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ مغموم لواحقین کی ڈھارس بندھاتے ہیں اور مرحوم کی مغفرت کے طالب ہوتے ہیں۔ یہ ساری باتیں اس مجلس کو سنجیدہ بنائے رکھتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ قدرتی امر ہے کہ جہاں چار آدمی اکٹھے ہوں وہاں ہر شخص اپنے اپنے انداز سے کچھ نہ کچھ کہے گا۔ ایسی صورت میں ماحول کو سنجیدہ اور تعزیت کے احترام کو ملحوظ رکھنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ عام اخلاق کا بھی یہی تقاضا ہے کہ زیادہ اور بلاوجہ ادھر ادھر کی باتوں سے اجتناب کیا جائے اور مجلس کو قصہ خوانی میں مبتلا نہ ہونے دیا جائے، اس سے مجلس طول پکڑتی ہے اور لوگ تعزیت کو بھول کر قصے کہانیاں سننے کے لئے بیٹھے رہتے ہیں۔ بعض اشخاص کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مرنے والے سے اپنے تعلق کا زیادہ سے زیادہ اظہار کریں اور اس تسلسل میں اسکی زندگی کے بعض ایسے گوشوں کا ذکر لے بیٹھتے ہیں جن میں لطائف اور ظرافت کی چاشنی بھی ہوتی ہے۔ وہ بلا سوچے سمجھے ان باتوں کو بھی تعزیت کا حصہ بنا کر پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر نہیں جانتے کہ وہ تعزیت کے تقاضوں کو مجروح کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ انکی ایسی باتوں سے مجلس میں ہنسی اور قہقہے تو لگ سکتے ہیں۔ مگر افسوس کی فضا قائم نہیں رہ سکتی۔ ٹھیک ہے کہ مرنے والے کی زندگی میں ایسے واقعات قہقہے ہی تھے لیکن آج جبکہ اس کے جسد عنصری پر ہم مٹی ڈال کر فارغ ہوئے بیٹھے ہیں یہ قہقے اور دلچسپی کی باتیں یہاں زیب نہیں دیتیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تعزیت کی مجلس میں آ جاتے ہیں جو اپنے قصے اور وارداتیں دہرانے لگتے ہیں۔ اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں کی داستانیں لے بیٹھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ وہی اس مجلس پر چھائے رہیں۔ یہ انداز بھی ایسی مجالس میں زیب نہیں دیتے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو نزاعی مسائل کو چھیڑ دینے کے عادی ہوتے ہیں جس کے لئے یہ ماحول ہرگز متحمل نہیں ہوتا۔ بولنے والے کو احساس تک بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس مجلس میں ہر مدرسہ فکر کے احباب موجود ہو سکتے ہیں۔ ایسا نہ ہو اس نزاعی گفتگو سے کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچے پس اس قسم کی فضا کو پیدا کرنے سے قطعی اجتناب کرنا چاہئے۔

دراصل پسماندگان کی تعزیت اور تقویت کے لئے ارشاد الٰہی انا للہ و انا الیہ راجعون کی تکرار اور اس آیہ مبارکہ کے معانی کا بیان ہی افسوس کے سب کلمات سے ارفع و اعلیٰ اور موثر ہے اور اکابر کا بھی یہی دستور ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہئے۔

جہاں تک تعزیت کے بنیادی مقصد کا تعلق ہے کہ آپ اپنے غم کے جذبات کا اظہار لواحقین تک پہنچائیں۔ ان سے ہمدردی اور یگانگت کا اظہار کر دیں۔ اس کے لئے بھی ایسی صورت پیدا نہیں ہونی چاہئے جس سے انہیں اذیت محسوس ہو۔ افسوس والے گھرانے میں بلاوجہ صبح سے شام اور شام سے صبح کر دینا بھی کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے۔ تعزیت کے لئے آنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ صرف تعزیت کے لئے آئے ہیں۔ مناسب وقت تک بیٹھیں، اہل خانہ سے ہمدردی اور غم کا اظہار کریں اور انہیں صبر کی تلقین کریں اور متوفی کے لئے دعا کرتے ہوئے رخصت کی اجازت لیں اور دوسرے آنے والے دوستوں کے لئے جگہ خالی کر دیں۔ اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ گھر والوں کو بھی تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی سکون اور آرام کی بھی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ ایک تو وہ غم سے نڈھال ہوتے ہیں۔ دوسرے لاپرواہ قسم کے تعزیت کرنے والوں کی بلامقصد موجودگی ان کے لئے پریشانی کا موجب بن رہی ہوتی ہے۔

ٹیلیفون بھی اس زمانے میں تعزیت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کا استعمال بھی اگر اعتدال سے کیا جائے تو اہل خانہ کا غم بانٹنے میں آسانی ہو سکتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ٹیلیفون پر مرنے والے کی عادات و اطوار اور وفات تک کی تمام تفصیلات کا بیان پوچھا جا رہا ہوتا ہے جبکہ اس کے لئے کسی اور وقت کا انتظار کرنا چاہئے اور ٹیلیفون پر موقع کے لحاظ سے بہت مختصر بات کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ ایسی سہولت ہے جس کے لئے اور بھی بہت سے غمخوار انتظار میں ہوتے ہیں، انہیں بھی موقع ملنا چاہئے۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض افراد میت والے گھر سے ذاتی ٹیلیفون کرنے بیٹھ جاتے ہیں کہ ضروری بات یاد آ گئی تھی اس طرح وہ ہمدردی تو کجا ان پر مالی بوجھ بھی ڈال رہے ہوتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ تعزیت پر آنے سے پہلے اپنے ذاتی معاملات نپٹا کر آئیں کہ یہی ہمدردی کا تقاضا ہے۔

تعزیت والے گھر میں تین دن تک کھانا پہنچانا، عزیز و اقارب، ہمسایوں اور دوستوں کو فرض ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت ہے۔ ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ ان پر وہ چیز آئی ہے جس سے وہ کھانا نہیں پکا سکیں گے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

الحمدللہ اسلامی معاشرہ میں اس فریضہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی تعزیت کے لئے آنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ کھانے کے اہتمام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گھر والوں کے لئے کیا جائے نہ کہ ہر آنے اور جانے والے کے لئے۔ اس لئے تعزیت کے لئے آنے والوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ کھانے کے وقت سے پہلے جانے کی اجازت طلب کر لیں۔ سوائے اس کے کہ بامر مجبوری بہت لمبے سفر سے عین اس وقت پہنچے ہوں اور انہیں کھانے کی حاجت ہو۔ یا جن کو اہل خانہ از خود کھانے کے لئے روک لیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"تقریب الوداع خوش آمدید"

مکرمی ظفر احمد سرور صاحب — مکرمی شمشاد احمد ناصر صاحب
مکرمی مبشر احمد صاحب — مکرمی ظہیر احمد باجوہ صاحب

۳۱ اگست ۱۹۹۶

جنکی حیات وقف کے سانچوں میں ڈھل گئی
انکی متاعِ زیست تو ہیروں میں تل گئی

حدِ نظر کی منزلیں وسعت پکڑ گئیں
کوتاہیٔ نگاہ کی ہر میل دُھل گئی

افکار قلب و ذہن کے دھارے بدل گئے
داعی بنے تو اور بھی دنیا بدل گئی

احباب تنگ نظر کی پہنچ سے پرے پرے
دنیا نئی ملی ہے نئی راہ کھل گئی

باغ و بہاران کا جہادِ نفس رہا
حرص و ہوا کی شاخِ گناہ گار جل گئی

طاعت امام کی ہو کہ طاعت امیر کی
صدق و صفا کی روح رگ و پے میں گھل گئی

شبیر تم پہ ناز کرے تو بجا **ظفر**
خدمت میں انکی آل جو آگے نکل گئی

خدمت، خطاب و خوئے **مبشر** بھی خوب ہے
بیٹھا تھا انکے پاس طبیعت بہل گئی

شمشاد شاد کام کا شوقِ سفر عجب
انکی تڑپ کو دیکھ کر منزل مچل گئی

پسر **ظہور** وقف کے میدان میں آ گیا
اچھا کیا **ظہیر** نے یہ ریت چل گئی

جوہر ہیں انکی ذات کے طرز ادا مری
میرے قلم سے آج جو لفظوں میں ڈھل گئی

الوداع یادش بخیر و مرحبا خوش آمدید
رسم دنیا کے لئے بھی بات کچھ تو چل گئی

طالب دعا:
کلیم اللہ خان۔